المدارج السنية

في الرّدّ على الوهابية

مرتّبه: عامر القادري دار العلوم قادریہ سبحانیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

اردو ترجمہ: عبد العلیم القادری

مع

العقائد الصحيحة في ترديد الوهّابية النّجدية

خواجہ حاجی حافظ **محمد حسن جان** صاحب مجدّدی **قدس سرہ**

[۱۹۳۱م.]

یہ کتاب استنبول، ترکی سے شائع کی گئ اور مندرجہ ذیل ویب سائٹ پر بھی موجود ہے

WWW.HAKIKATKITABEVI.COM /DISPLAY.ASP?DID=3&KID=50

المدارج السنية

في الرّدّ على الوهابية

مرتّبه: عامر القادري رحمه الله معلم بدار العلوم القادرية السبحانية كراتشى عـــ٢٥
ترجمه: عبد العليم القادرى هفته ١٥ جنورى سنة ١٣٩٨ هـــ. [١٩٧٧ م.]

و يليه

العقائد الصحيحة في ترديد الوهّابية النّجدية

جناب زبدة السالكين عمدة العارفين محى السنة ماحى البدعة حضرت مولانا و مرشدنا خواجه حاجى حافظ **محمد حسن جان** صاحب مجدّدى دامت بركاتهم العالية سجاده نشين درگاه طنده ساين داد ضلع حيدرآباد (سنده) ىى مؤلف اصول الاربعة المتوفى سنة ١٣٤٩ هـــ. [١٩٣١ م.]

قد اعتنى بطبعه طبعة جديدة بالأوفست

مكتبة الحقيقة

يطلب من مكتبة الحقيقة بشارع دار الشفقة بفاتح ٥٧ استانبول-تركيا

هجري قمري	هجري شمسي	ميلادي
١٤٢١	١٣٧٩	٢٠٠٠

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين. والصلوٰة والسلام على سيد الاولين والآخرين وعلىٰ اله واصحابه اجمعين

اما بعد

فيقول عامر عبد الخالق القادري المدعو بعامر القادري لما وجدت من الوهابية مسائل المختلفة. لما قولهم ان الانبياء ليس بحي فى قبورهم والنداء الىٰ يا رسول الله صلى الله عليه وسلم شرك كما يقولون أهل السنة فى وقت الاذان عند شهادة الاولى. قرة عينى بك يا رسول الله وهي شرك عندهم ومن قال يا رسول الله بالنداء والخطاب فهو مشرك عندهم. وحيلة الاسقاط لما روح فى السرحد او البنجاب. هو حرام عندهم واخذ الاجرة على تعليم القرآن شرك ايضاً فلهذا اكتبت الرسالة المسمى بالمدارج السنية فى الرد على الوهابية

فالمسئلة الاول. الصلوٰة على النبى عليه السلام.

الصلوٰة على النبى عليه السلام ثبت بدليل قطعى. لقوله تعالىٰ

اما بعد

پس کہتا ہے عامر عبدالخالق القادری معروف بہ عامر القادری جب پائے میں نے وہابیہ کے مسائل مختلف جیسے کہتے ہیں یہ کہ انبیاء اپنے قبور میں زندہ نہیں ہیں اور ندا رسول اللہ کی طرف یہ شرک ہے جیسا کہ اہل السنۃ کہتے ہیں آذان کے وقت میں اول شہادت میں قرۃ عینی بک یا رسول اللہ۔ اور یہ وہابیہ اسے شرک جانتے ہیں اور جس نے یا رسول اللہ کہا ساتھ نداء اور خطاب کے وہ انکے ہاں مشرک ہے۔ اور حیلہ اسقاط کرنا جیسے صوبہ سرحد میں مروج ہے اور پنجاب میں یہ انکے ہاں حرام ہے۔ اور تعلیم قرآن پر اُجرت لینا یہ بھی شرک ہے اس وجہ سے میں نے رسالہ لکھا جو مدارج السنیہ فی رد علے الوہابیہ پر موصوف ہے۔ پس اول مسئلہ نبی علیہ السلام پر درود پڑھنے کا ہے۔

درود پڑھنا نبی علیہ السلام پر نص قطعی سے ثابت ہے۔ واسطے قول رب تعالیٰ کے۔

صلوا علیہ وسلموا تسلیماً ای صلوا علیہ دائماً۔ فان قلت کیف یدوم؟

قلنا

قولہ تعالیٰ اِن اللّٰہ وملئکتہ یصلون الایۃ۔ وقع فی الآیت الاستمرار لان ھی (ای یصلون) صیغۃ المضارع والمضارع یدل علی الاستمرار فالحاصل صلوا علیہ بدوام۔

یا ایھا الناس صلوا علی رسول اللّٰہ صلوا علیہ ھو خیر البشر
ھو رسول ربنا ھو مختار کل شیٔ ھو یشیر الیٰ قمر فنشق القمر

وفی المشکوٰۃ۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من صلّٰی عَلَیَّ صلوٰۃ واحدۃ صلی اللّٰہ علیہ عشرا۔

وعن ابن مسعود قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان لِلّٰہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من اُمتی السلام

وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما من احد یسلم عَلَیَّ الّا رد اللّٰہ عَلَیَّ روحی حتیٰ اَرد علیہ السلام

فثبت ان صلوٰتنا یعرض علی النبی علیہ السلام۔

وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مَنْ

درود پڑھو اس پر اور سلام بھیجو سلام بھیجنا۔ یعنی درود پڑھو ہمیشہ۔ پس اگر تو کہے کیسے ہمیشہ
ہم کہتے ہیں
یہ قول رب تعالیٰ کا ان اللہ وملئکتہ یصلون۔ واقع ہوا استمرار اس لیے کہ یصلون
مضارع کا صیغہ ہے اور مضارع دلالت کرتا ہے استمرار پر۔
پس حاصل یہ ہے کہ درود پڑھو اس پر ساتھ ہمیشگی کے
اے لوگو درود پڑھو نبی علیہ السلام پر۔ درود پڑھو اس پر وہ افضل بشر ہے
وہ ہمارے رب کا رسول ہے اور وہ دنیا رہے جملہ اشیاء کا اس نے چاند کو اشارے سے توڑ دیا
اور مشکوٰۃ میں ہے۔ روایت ہے ابو ہریرہ سے کہ فرمایا رسول اللہ نے جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے
اللہ تعالیٰ اس پر دس بھیجے گا۔
اور روایت ہے ابن مسعود سے کہ فرمایا رسول اللہ نے اللہ کے فرشتے زمین میں پھرتے ہیں میری اُمت
کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔
اور روایت ہے ابو ہریرہ سے فرمایا رسول اللہ نے جب کوئی مسلمان سلام پڑھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ
میری روح کو مجھ پر لوٹاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔
پس ثابت ہوا کہ ہمارا درود نبی علیہ السلام پر پیش کیا جاتا ہے۔
اور روایت ہے ابو ہریرہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو

صلى عَلَيَّ عند قبري سمعته، ومن صلى عَلَيَّ نائياً ابلغته۔ فثبت كما يسمع النبي صلى الله عليه وسلم عند قبره يسمع ايضاً من البعيد لانه رسول للناس بالقرب والبعد۔ كما ثبت بحديث التي وجد في دلائل الخيرات[1]۔ اسمع صلوة اهل محبتي واعرفهم۔ دلائل الخيرات ص ۵۲ واسمع منكم بلا واسطة۔ انيس الجليس للامام السيوطي[2] ص ۲۴۵۔ انا جليس من ذكرني سعادت الدارين[3] ص ۴۵۴ ومدارج النبوة[4] ص ۵۲۰ ثم روح البيان[5] جلد ۲ ص ۲۳۵۔ من قال عشر مرة الصلوة والسلام عليك يا رسول الله فقد اعتق رقبة۔ نسيم الرياض[6] جلد ۳ ص ۴۹۲ وقال حسين احمد الديوبندي[7] في شهاب ثاقب۔ الصلوة والسلام عليك يا رسول الله وجملة الصور للصلوة لو بخطاب ونداء عند علمائنا مستحب ومستحسن۔ شهاب ثاقب ص ۶۵

فثبت جواز الصلوة بالنداء والخطاب۔

سلموا يا قوم بل صلوا على صدر الامين
مصطفى ما جاء الا رحمة للعالمين

---

(۱) مؤلف دلائل الخيرات محمد بن سليمان الجزولي الشاذلي توفي مسموما سنة ۸۷۰ هـ. [۱۴۶۵ م.] في فاس

(۲) جلال الدين عبد الرحمن السيوطي الشافعي توفي سنة ۹۱۱ هـ. [۱۵۰۵ م.] في مصر

(۳) مؤلف سعادة الدارين ابراهيم المصري كان حيا قبل سنة ۱۳۲۰ هـ. [۱۹۰۲ م.]

(٤) مؤلف مدارج النبوة عبد الحق الدهلوي توفي سنة ۱۰۵۲ هـ. [۱۶٤۲ م.]

(٥) مؤلف تفسير روح البيان اسماعيل حقي الجلوتي توفي سنة ۱۱۳۷ هـ. [۱۷۲٥ م.] في بروسه

(٦) مؤلف نسيم الرياض شرح الشفاء احمد الخفاجي المصري توفي سنة ۱۰٦۹ هـ. [۱٦٥۹ م.]

(۷) حسين احمد الديوبندي توفي سنة ۱۳۷۷ هـ. [۱۹٥۷ م.]

درود پڑھے میری قبر کے نزدیک میں اسے خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے مجھے پہنچایا جاتا ہے
پس ثابت ہوا جیسے کہ نبی علیہ السلام اپنی قبر پر نزدیک کا درود سنتے ہیں اسی طرح دور کا بھی
سنتے ہیں اس لیئے کہ آپؐ نزدیک اور دور والوں کے رسول ہیں۔ جیسا کہ ثابت ہے حدیث میں جو
پائی ہم نے دلائل الخیرات میں۔ ہے کہ سنتا ہوں میں درود اہل محبت کا اور پہچانتا بھی ہوں
اور میں تم سے بلا واسطہ سنتا ہوں۔ میں وہاں موجود ہوں جہاں میری یاد ہو رہی ہے
جس نے دس بار الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کہا پس اسنے ایک غلام آزاد کیا
اور کہا حسین احمد دیوبندی نے شہاب ثاقب میں۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ
اور جملہ صور درود شریف کو اگرچہ بصیغہ خطاب وندا ہی کیوں نہ ہو علماء مستحب
و مستحسن جانتے ہیں

پس ثابت ہوا جواز درود کا ساتھ خطاب وندا کے

سلام پڑھو اے قوم بلکہ درود پڑھو اُدپر سردار امانت داروں کے مصطفےٰ ہیں آئے مگر
رحمتہ دو جہان کیلیئے۔

والصلوٰة فی الدعاء کما یفعلون اہل السنۃ

رواہ معاذ بن الحارث عن ابی قرۃ عن سعید بن المسیب[1]
عن عمر مرفوعاً وھذا رواہ رزین ابن معاویۃ[2] فی کتابہ مرفوعاً
عن النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام قال الدعاء موقوف بین السماء والارض
لا یصعد حتی یصلی علیّ فلا تجعلونی کغمر الراکب صلوا علیّ اول
الدعاء واٰخرہ واوسطہ

فثبت ان فی اول الدعاء صلوٰۃ وفی آخرہ واوسطہ
وبحمد اللہ تعالیٰ ان أھل السنۃ والجماعۃ یداومون علیہ
ویستحسنون الصلوٰۃ فی الدعاء کما روج فی اکثر الشی -

مولای صلّ وسلم دائماً ابداً
علیٰ حبیبک خیر الخلق کلہم

---

(١) سعيد بن المُسَيّب التابعي توفي سنة ٩١ هـ. [٧٠٩ م.] في المدينة المنورة

(٢) رزين بن معاوية امام الحرمين المالكي توفي سنة ٥٢٤ هـ. [١١٢٩ م.]

اور درود دُعا میں جیساکہ اہل السنۃ کرتے ہیں ۔

روایت ہے معاذ بن حارث سے وہ ابی قرہ سے وہ سعید بن المسیب سے وہ عمر سے مرفوعاً اور اسی طرح روایت کیا ہے اسے رزین ابن معاویہ نے اپنی کتاب میں مرفوعاً نبی علیہ السلام سے فرمایا کہ دُعا لٹکی رہتی ہے آسمان و زمین میں اوپر نہیں چڑھتی جب تک مجھ پر درود نہ پڑھا جائے پس نہ کرو مجھے مانند درود پڑھو مجھ پر دعا کی ابتدا درمیان اور آخر میں

پس ثابت ہوا کہ دعا کے ابتداء میں آخر میں اور درمیان میں درود ہے اور اللہ کے فضل سے اہل السنۃ والجماعت نے اس پر ہمیشگی اختیار کی ہے ۔ اور دُعا میں درود کو مستحسن جانتے ہیں جیسا کہ رواج ہے کراچی میں ۔

الالہام بر المنافقین

قال حاجی[1] امداد اللہ مہاجر مکی فی ضیاء القلوب ہر کسے را
کہ شوقِ دیدار محمد رسول اللہ صلعم می شود بعد نمازِ عشاء با طہارت کامل و جامہ
نو و استعمال خوشبو باادب تمام روبروئے مدینہ منورہ بنشیند و بلتجی از جناب
قدس حقیقت محمدی برائے حصولِ زیارت جمال مبارک صلے اللہ علیہ وسلم و
دل را از جمیع خطرات خالی کردہ صورتِ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم بہ
لباس بسیار سفید و عمامہ سبز و چہرہ منور مثلِ بدر بر کرسی تصور کند الصلوٰۃ
والسلام علیک یا رسول اللہ راست، الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ چپ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ، در دل ضرب کند و ایں درود شریف
را ہر قدر کہ تواند پے درپے تکرار کند انشاء اللہ تعالیٰ مطلوب خواہد رسید۔

ضیاء القلوب ص ۸۳

وایضاً قال حاجی امداد اللہ الصلوٰۃ والسلام علیک
یا رسول اللہ بصیغۃ النداء والخطاب یکلمون الناس فیہ
ھذا مبنی علیٰ اتصال المعنوی لہ الخلق والامر عالم الامر

(١) حاجي امداد الله حسين الديوبندي توفي سنة ١٣١٧ هـ. [١٨٩٩ م.] في مكة المكرمة

مخالفین کے اکابر

کہا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے ضیاء القلوب میں جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق ہو نمازِ عشاء کے بعد تنہا طہارت کامل کے اور نئے کپڑوں کے اور استعمال خوشبو کے ساتھ ادب تمام کے منہ مدینہ منورہ کی طرف کر کے بیٹھے اور التجا جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جمال مبارک کی زیارت کی کرے اور دل کو تمام خطرات سے خالی کر کے یہ تصور کرے کہ حضور اکرمؐ سفید کپڑے پہنے اور سبز عمامہ باندھے کرسی پر بدر کے چاند جیسے جلوہ افروز ہیں اور دائیں طرف الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ اور بائیں الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ اور دل میں الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ کی ضرب لگائے اور اس درود شریف کو جسقدر ہو سکے متواتر تکرار کرے انشاء اللہ مطلب کو پہنچے گا

اور اسی طرح حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے کہا کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ بصیغہ خطاب میں بعض لوگ کلام کرتے ہیں اور یہ مبنی ہے اتصال معنوی پر لہ الخلق و الامر عالم امر

ليس مقيد بالطرف وبالقرب والبعد فلا شك في جوازه
امداد المشتاق ص ٥٩

اشرف[1] علي تانوی

ثبت ان اقرؤا الصلوٰة بكثرة وهو ايضاً الصلوٰة والسلام عليك يا رسول الله - شكر النعمة بذكر رحمة الرحمة ص ١٨١

وهذا مقام فكر وتأمل ان اكابر الديوبندية هم يتبعون الوهابية زماننا والمودودية والنجبيرية وغيرهم يقولون الشرك للصلوٰة على النبي بالنداء والخطاب فثبت ان اكابرهم كلهم مشركون ولكن لا يفقهون العلم لئن كلهم جهال

حسين احمد[2] مدنی

سمعت من الوهابية اكثرهم يمنعون من الصلوٰة على النبي عليه السلام بالخطاب مثل الصلوٰة والسلام عليك يا رسول الله وهم يستهزؤن ويقولون الكلام الفاحش وعلمائنا هذا الصورة وجملة الصور لصلوٰة لو بخطاب و نداء يقولون مستحب ومستحسن وللمتعلقين يأمرون بذالك - شهاب ثاقب ص ٦٥

شفيع

---

(١) محمد اشرف علي التهانوي الديوبندي توفي سنة ١٣٦٢ هـ. [١٩٤٣ م.]

(٢) حسين احمد مدني الديوبندي توفي سنة ١٣٧٧ هـ. [١٩٥٧ م.]

نہیں مقید ساتھ طرف کے قرب و بعد میں پس اس کے جواز میں شک نہیں ہے۔

اشرفعلی تھانوی

کہ یوں دل چاہتا ہے کہ آج درود شریف زیادہ پڑھوں اور وہ بھی ان الفاظ سے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

اور یہ مقام غور و فکر ہے کہ اکابر دیوبند اسے مستحب جانتے ہیں اور ہمارے زمانے کے وہابی اور مودودی اور نیچیری وغیرہم درود کو شرک کہتے ہیں جو ساتھ نداء و خطاب کے ہو پس ثابت ہوا ان کے قول سے کہ ان کے اکابر تمام مشرک ہے لیکن یہ نہیں سمجھتے علم کو اس لیے کہ یہ جاہل ہیں۔

حسین احمد مدنی

وہابیہ خبیثہ سے بارہا سنا گیا کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کو منع کرتے ہیں اور اہل حرمین پر سخت نفریں اس ندا و خطاب پر کرتے ہیں اور ان کا استہزاء (مذاق) اڑاتے ہیں اور برے کلمات کہتے ہیں اور علماء ہمارے اس صورت کو اور تمام صور درود کو اگرچہ بخطاب و ندا ہی کیوں نہ ہو مستحب و مستحسن جانتے ہیں اور متعلقین کو اس کا امر کرتے ہیں۔

محمد ذکریا السہارنبوری[۱]

قال فی فضائل درود دفی فہی ان یجتمع الصلوٰۃ والسلام فافضل اعنی مکان السلام علیک یا رسول اللّٰہ والسلام علیک یا حبیب اللّٰہ یقال الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللّٰہ اعنی ان ازید علیہ لفظ صلوٰۃ

فضائل درود ص۱۳۲ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ ص۲۹

وقال حجۃ الاسلام امام غزالی[۲] رحمۃ اللّٰہ علیہ فی احیاء العلوم واحضر فی قلبک النبی علیہ السلام وشخصہ الکریم وقل السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ ولیصدق املک فی انہ یبلغہ ویرد علیک ما ہو اوفی منہ انتہی احیاء العلوم ص۱۴۹ جلد ۱ وہذہ العبارۃ وجدت فی اکثر کتب الفقہاء۔ عمدۃ القاری[۳] شرح بخاری جلد ۶ ص۱۱۱ مواہب اللدنیہ[۴] جلد ۲ ص۳۲۰ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ جلد ۷ ص۲۲۹ زرقانی شرح موطا امام مالک[۵] جلد ۱ ص۱۷۰ سعایہ[۶] جلد ۲ ص۲۲۷ فتح الملہم جلد ۲ ص۱۴۳ اوجز المسالک جلد ۱ ص۲۶۵ مسک الختام[۷] شرح بلوغ المرام ص۲۵۹

کے مطبوعہ بیروت

نبطل اثبات الوہابیۃ وقولہم من حضر فی قلبہ النبی علیہ السلام وقت الصلوٰۃ فصلوٰتہ فاسدۃ۔ نعوذ باللّٰہ من انفسہم ویرحم اللّٰہ علیہم

---

(۱) محمد زكريا السهارنبوري الديو بندي ولد سنة ١٣١٥ هـ. [١٨٩٧ م.]

(٢) الامام محمد الغزالي توفي سنة ٥٠٥ هـ. [١١١١ م.] في طوس [مشهد]

(٣) مؤلف عمدة القاري محمود العيني الحنفي توفي سنة ٨٥٥ هـ. [١٤٥١ م.]

(٤) مؤلف المواهب اللدنية احمد القسطلاني الشافعي توفي سنة ٩٢٣ هـ. [١٥١٧ م.]

(٥) محمد الزرقاني المالكي توفي سنة ١١٢٢ هـ. [١٧١٠ م.]

(٦) مؤلف السعاية عبد الحي اللكنوي الهندي توفي سنة ١٣٠٤ هـ. [١٨٨٦ م.]

(٧) مؤلف مسك الختام شعبان المصري الشافعي توفي سنة ٨٢٨ هـ. [١٤٢٤ م.]

محمد ذکریا سہارنپوری

فضائل درود میں کہا کہ بندہ کے خیال میں اگر ہر جگہ درود وسلام کو جمع کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے یعنی بجائے السلام علیک یارسول اللہ اور السلام علیک یا حبیب اللہ کے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ۔ یعنی صلوٰۃ کا لفظ بڑھا دیا جائے۔

اور کہا امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں۔ اور حاضر کر اپنے دل میں نبی علیہ السلام کو اور تصور آپ کا رکھ اور کہہ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور یقین جان کر یہ سلام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچ رہا ہے۔ اور اس کا جواب آپ بجا فرما رہے ہیں۔

اور یہی عبارت میں نے اکثر کتب فقہاء میں پائی ہے۔

پس باطل ہوا اثبات وہابیہ کا کہتے ہیں کہ جس نے نماز میں نبی علیہ السلام کا خیال لایا پس اس کی نماز فاسد ہوئی۔ العیاذ باللہ۔

والنداء

وایضاً سمعت من الوهابیة والنداء لغیر الله شرک فتاوی رشیدیہ ۔ [۱]

قلنا

والنداء للنبی علیہ السلام وللاولیاء جائز اما للنبی علیہ السلام فهو من حدیث عبد الرحمن بن سعد خدرت رجل ابن عمر فقال له رجل اذکر احب الناس الیک فقال یا محمد صلی الله علیہ وسلم ادب المفرد ص ۱۴۲ وایضاً فی فضائل درود لزکریا السهارنفوری دیوبند ص ۱۳۲ وایضاً اخرج النووی رح [۲] فی کتابه لاعنی شرح مسلم) خدرت رجل ابن عباس فقال ابن عباس یا محمداه فصح الرجل فی الوقت کتاب الاذکار ص ۳۶ ۔

واما النداء لولی الله تعالی فهو جائز ایضاً ان الولی تابع للنبی کما فی فتاوی حدیثیہ لابن حجر [۳] الهیتمی المکی رح

---

(۱) رشید احمد کنکوهی توفي سنة ۱۳۲۳ هـ. [۱۹۰۵ م.]

(۲) یحیی النووي الشافعي توفي سنة ۶۷۶ هـ. [۱۲۷۷ م.] في الشام

(۳) حمد ابن حجر المکي الشافعي توفي سنة ۹۷۴ هـ. [۱۵۶۶ م.] في مكة المكرمة زادها الله شرفا و كرما

اور اسی طرح سنا ہے میں نے وہابیہ سے کہ نداء غیر اللہ کو شرک ہے

قلنا

اور پکارنا نبی علیہ السلام کو یا اولیاء کو یہ جائز ہے وہ نداء جو نبی علیہ السلام کو ہے وہ ثابت ہے حدیث عبد الرحمان بن سعد سے ابن عمر کا پاؤں سُن ہو گیا بس کسی آدمی نے اسے کہا یاد کر اُس کو جو تجھے تمام لوگوں سے اچھا اور محبوب ہو بس کہا اُس نے یا محمد

اور اسی طرح امام نوویؒ نے کہا شرح مسلم میں کہ سو گیا پاؤں ابن عباس کا پس کہا اُس نے یا محمداہ صحیح ہوا پاؤں اُس کا اُسی وقت میں

اور بہر حال نداء جو ولی اللہ سے ہے وہ بھی ایسا ہی جائز ہے اس لیے کہ ولی تابع ہے نبی کے جیسا کہ فتاوی حدیثیہ میں ہے جو ابن حجر الھیتمی مکیؒ کا ہے۔

وقال علامہ خیر الدین رملی[1] فی فتاوٰی خیریہ ھو اُستاد لصاحب درالمختار[2] فقال یا شیخ عبد القادر[3] جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فھو نداءٌ واذا اضیف الیہ شیئًا فھو طلب شیئٍ اکرامًا للہ فما الموجب لحرمتہ فتاوٰی خیریہ مطبوعہ مصر المجلد الثانی صـ ۱۸۲

وقال فی الھدایۃ[4] الصلوٰۃ علی النبی علیہ السلام خارج الصلوٰۃ واجبۃ کما قال الکرخی[5] او کلما ذکر علیہ الصلوٰۃ کما اختارہ الطحاوی[6] انتہی بخاری جلد ثانی علی الھامش۔

فافھموا وافکر یا منکر النداء والخطاب الی اقوال العلماء والمفتیین وقل۔

یا نبی درود جناب تو

درد زبان است مہ و سال صبح شام

نزدیک چو تحفہ فرستیم ماز دور

درد است راہیمی صلوٰۃ ست و سلام

ابو المجاہد عامر محمد عبد الخالق القادری ۱۹۷۶ء

---

(۱) خير الدين الرملي الحنفي توفي سنة ۱۰۸۱ هـ. [۱۶۷۰ م.] في رمله

(۲) صاحب در المختار محمد علاء الدين الحصكفي الحنفي توفي سنة ۱۰۸۸ هـ. [۱۶۷۶ م.] في الشام

(۳) السيد عبد القادر الگيلاني الحنبلي توفي سنة ۵۶۱ هـ. [۱۱۶۶ م.] في بغداد

(٤) مؤلف الهداية برهان الدين علي المرغيناني الحنفي استشهد سنة ۵۹۳ هـ. [۱۱۹۸ م.] في بخارى

(۵) عبيد الله الكرخي الحنفي توفي سنة ۳٤۰ هـ. [۹۵۲ م.] في بغداد

(٦) احمد الطحاوي الحنفي توفي سنة ۳۲۱ هـ. [۹۳۳ م.] في مصر

اور کہا علامہ خیرالدین رملی نے فتاویٰ خیریہ میں جو کہ اُستاد ہے مصنف درمختار کا پس کہا یہ ندا ہے یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور جب ساتھ اسکے پڑھا یا جا پس وہ طلب شیئی ہے ازروئے اکرام اللہ کے پس کیا سبب ہے اسکی حرمت کیلئے

اور ہدایہ میں ہے اور درود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نماز سے باہر واجب ہو جیسا کہ کرخی نے کہا اور جب ذکر ہو آپؐ پر درود جیسا کہ مختار کیا ہے اسے طحاوی نے پس غور و فکر کر اے منکر ندا و خطاب کے طرف اقوال علماء کے اور مفتیو نکے اور کہو

ويليه هذه الى ما قبله ـ قول القائل حين وقت الاذان عند شهادة الاولى او الثانية ـ قرة عيني بك يا رسول الله

قال جلال الدين السيوطي والقهستاني[1] في شرح الكبير نقلا عن كنز العباد[2] اعلم انه يستحب ان يقال عند السماع الاولى من الشهادة الثانية صلى الله عليك يا رسول الله وعند سماع الثانية قرة عيني بك يا رسول الله ثم يقال اللهم متعني بالسمع والبصر بعد وضع ظفر الابهامين على العينين وقال عليه السلام من سمع اسمي في الاذان فقبل ظفري ابهاميه ومسح على عينيه لم يعمهما ابدا الخ حاشية جلالين[3] مطبوعه اصح المطابع ثم روح البيان ما تحت ان الله وملئكته الآية وموضوعات كبير لملا علي قاري ص ٣٤٩ ثم البصائر لمولانا حمد الله داجوي وايضا قال العلامة الشامي[4] ص ٢٧٩ تتمة

---

(١) محمد القهستاني الحنفي توفي سنة ٩٦٢ هـ. [١٥٥٥ م.] في بخارى

(٢) كنز العباد في شرح اوراد شهاب الدين السهروردي ابو حفص عمر الشافعي توفي سنة ٦٣٢ هـ. [١٢٣٤ م.] في بغداد

(٣) مؤلف تفسير الجلالين محمد جلال الدين مَحَلّي توفي سنة ٨٦٤ هـ. [١٤٥٩ م.] في مصر

(٤) العلاّمة الشامي السيد محمد أمين ابن عابدين توفي سنة ١٢٥٢ هـ. [١٨٣٦ م.]

اور یہ ملا ہوا ہے ساتھ گزشتہ کے ۔ قول قائل کا وقت اذان کے نزد شہادت اول کے یا ثانیہ کے ۔ یا رسول اللہ تم میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔

کہا جلال الدین سیوطی نے اور قہستانی نے شرح کبیر میں نقل کیا کنز العباد سے جان کہ بے شک یہ مستحب ہے کہ کہا جاوے سماع اولی کے نزدیک شہادت ثانیہ سے درود ہو تم پر اے اللہ کے رسول اور وقت شہادت ثانیہ کے ٹھنڈک ہو تم یا رسول اللہ میری آنکھوں کی پھر کہے اے اللہ دے مجھے قوت سماع و بصارت کی یہ کہے بعد رکھنے ناخن انگوٹھوں دونوں کے آنکھوں پر اور کہا نبی علیہ السلام نے جس نے سنا اذان میں نام میرا اور چوما ناخن دونوں انگوٹھوں کے اور آنکھوں پر لگایا کبھی آنکھیں خراب نہ ہوں گی ۔

حيلة الاسقاط

جمعه الحيل وتعريفه ما يحتال به الرجل بحمد الله تعالى ويونهم اهل السنة يفعلون حيلة الاسقاط من زمان عمر رض الى الآن وفى جوازه كثرة الاثبات .

فان قلت كيف اجاز العلماء الحيل مع ان البخاري[1] اورد فى كتابه الحيل احدا وثلثين حديثا فى منع الحيل ؟

قلنا

تحقيق المقام ان ادلة باب الحيل قد جاءت مختلفة فبعضها يقتضى عدمه وبعضها يقتضى وجوده والبخارى اختار الاول فاورد الاحاديث التى تراها ولكن بعضها لا يدل على الحيل اصلا ولم يذكر ما يدل على الجواز من الكتاب والسنة بل شنع على من اجاز الحيل قال الحافظ ابن حجر العسقلانى[2] فى شرح البخارى بعدما ذكر اقسام الحيل واختلاف العلماء فيها ما نصه ولمن جازها مطلقا او ابطلها مطلقا ادلة كثيرة فمن الاول قوله تعالى وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث وقد عمل به صلى الله عليه وسلم

(١) مؤلف الجامع الصحيح البخاري محمد بخاري توفي سنة ٢٥٦ هـ. [٨٧٠ م.] في سمرقند

(٢) احمد ابن حجر العسقلاني الشافعي توفي سنة ٨٥٢ هـ. [١٤٤٨ م.] في مصر

حیلہ اسقاط

جمع اس کی حِیَل ہے اور تعریف یہ ہے مایحتال بہ الرجل۔ اللہ کے فضل وکرم سے اسقاط اہل السنۃ کر رہا ہے زمانہ عمرؓ سے اب تک اور اس کے جواز میں اثبات بہت ہیں اگر تو کہے کہ علماء نے حیلہ کو کیسے جائز قرار دیا حالانکہ بخاریؒ نے کتاب الحیل میں اکتیس[۳۱] احادیث عدم جواز میں لکھی ہیں؟

قلنا

تحقیق مقام یہ ہے کہ دلائل بارے حیل میں مختلف ہیں پس بعض تقاضہ عدم رکھتی ہیں اور بعض اس کے جواز پر مقتضی ہیں اور بخاریؒ نے اول یعنی عدم جواز کو اختیار کیا پس وارد کی احادیث جو سامنے ہیں ولیکن بعض دلائل نہیں حیل پر اصلاً اور ذکر نہیں کیا بخاریؒ نے وہ جو دال ہیں جواز پر کتاب وسنت سے بلکہ ترجمہ کیا اس پر جس نے حیلہ کو جائز کہا کہا حافظ ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری میں بعد ذکر کرتے اقسام حیل کے اور اختلاف علماء کا وہ جو نصب ہے اس میں اور جس نے مطلقاً جائز قرار دیا۔ یا مطلقاً باطل کیا اسے دلائل کثیرہ سے پس اوّل یہ قول رب تعالیٰ کا اور پکڑ ہاتھ میں جھاڑو پس مار اس سے اور حانث نہ ہو اور تحقیق عمل کیا اسکے ساتھ نبی علیہ السلام نے

فی حق الضعیف الذی زنیٰ وهو من حدیث ابی امامة بن سهل فی السنن ومنه قوله تعالیٰ ومن یتق الله یجعل له مخرجا وفی الحیل من المخارج من المضائق ومنه مشروعیة الاستثناء فان فیه تخلیصا من الحنث وکذلک الشروط کلها فان فیها سلامة من الوقوع فی الحرج - ومنه حدیث ابی هریرة وابن سعید فی قصة بلال بع الجمع بالدراهم ثم ابتع منها - ومن الثانی قصة اصحاب السبت وحدیث حرمت علیهم الشحوم فجملوها فباعوها واکلوا ثمنها وحدیث النهی عن النجش وحدیث لعن المحلل والمحلل له اهـ وقال شمس الایمة السرخسی[۱] فی حیل المبسوط ان الحیل فی الاحکام المخرجة عن الامام جائزة عند جمهور العلماء وانما کره ذلک بعض المتقشفة بجهلهم وقلة تاملهم فی الکتاب والسنة والدلیل علی جوازه من الکتب قوله تعالی وخذ بیدک ضغثا فاضرب به ولا تحنث هذا التعلیم المخرج لایوب علیه السلام عن یمینه التی حلف لیضربن زوجته مائة سوط فانه حین قالت لو ذبحت عناقا باسم الشیطان

---

(۱) محمد السرخسي توفي سنة ٤٨٣ هـ. [١٠٩١ م.] في تركستان

بیچ حق ضعیف کے وہ جس نے زنا کیا تھا اور وہ حدیث ابی امامۃ بن سہل کی ہے سنن میں اور اسی سے یہ فرمان رب تعالیٰ کا اور جو ڈرے اللہ سے کر دیگا واسطے اس کے نکلنے کی راہ اور حیل میں راستہ ہے آسانی ہے تنگیوں سے اور اسی سے مشروعیت ہے استثناء کی اس لیے کہ اسمیں خلاصی ہے حنث سے اور اسی طرح تمام شروط پس اس میں سلامتی ہے حرج میں پڑنے کی۔ اور اسی سے حدیث ابو ہریرہؓ کی اور ابن سعید کی قصہ بلال میں (بع الجمع بالدراہم ثم ابتع بہا) اور دوسرے سے قصہ اصحاب سبت کا اور حدیث حرمت علیہم الشحوم والی اور حدیث نہی عن النجش کی اور حدیث لعن المحلل اور محلل لہ کی الخ

اور کہا شمس الائمہ سرخسی نے حیل مبسوط میں کہ حیل احکام مخرجہ میں امام اعظمؒ سے جائز ہے تمام علماء کے نزدیک اور یہ کہ مکروہ جاننا بعض بدبختوں نے واسطے جہالت اُنکے اور کمی فکر کے کتاب و سنت میں اور دلیل جواز پر کتاب سے یہ قول رب تعالیٰ کا وخذ بیدک الخ یہ تعلیم مخرج ہے ایوب علیہ السلام کیلئے اُس قسم سے جو اٹھائی تھی کہ البتہ ضرور ماروں گا میں بیوی اپنی کو سو دُرّے جب کہا تھا اُسکی عورت نے اگر ذبح کرے تو عناق ساتھ اسم شیطان کے۔

فی قصة طویلة اوردها اهل التفسیر رحمهم الله وقال الله تعالیٰ فلما جهزهم بجهازهم جعل السقایة فی رحل اخیه الیٰ قوله ثم استخرجها من وعاء اخیه کذلک کدنا لیوسف وکان هذا منه حیلة لامساك اخیه عنده علی وجه لا یقف اخوته علیٰ مقصوده وقال جل جلاله حکایة عن موسیٰ علیه السلام ستجدنی ان شاء الله صابرا ولم یغلب علیٰ ذلك لانه قید سلامته بالاستثناء وهو مخرج صحیح قال الله تعالیٰ ولا تقولن لشیٔ انی فاعل ذلك غدا الا ان یشاء الله -

واما السنة فما روی عن النبی صلی الله علیه وسلم قال یوم الاحزاب لعروة بن مسعود فی شان بنی قریظة فلعلنا امرناهم بذلك فلما قال له عمرؓ فی ذلك قال علیه السلام الحرب خدعة وکان ذلك منه اکتساب حیلة ومخرجاً من الاثم بتقیید الکلام بلعل ولما اتاه رجل واخبره انه حلف بطلاق امرأته ثلاثا ان لا یکلم اخاه قال له طلقها

لمبے قصہ میں جیسے لکھا مفسرین کرام نے اور کہا اللہ تعالیٰ نے پس جب تیار کیا واسطے ان کے سامان رکھدیا پیالہ پانی والا کجاوے میں اُسکے بھائی کے پھر نکال لیا اُسے بھائی کے کجاوے سے اور اسی طرح کام سنوارا ہم نے یوسفؑ کا اور تھا یہ اس سے حیلہ امساک کا بھائی سے اُس کے ناں اوپر وجہ نہ موقوف ہونے بھائی اُسکے کے اُوپر مقصود کے اور کہا رب تعالیٰ نے حکایت موسیٰؑ سے پائیگا تو مجھے صابر اگر اللہ نے چاہا اور نہ غالب ہوا وہ اس صبر پر اس لیے کہ یہ قید سلامتی کی ہے ساتھ استثناء کے اور یہ مخرج صحیح تھا اور فرمایا رب تعالیٰ نے اور ہرگز نہ کہو کسی چیز کیلئے کہ کروں گا میں اسے کل مگر یہ کہ اللہ چاہے

اور وہ جو حدیث ہے پس وہ روایت کی گئی ہے نبی علیہ السلام سے جو کہ فرمایا یوم احزاب پر عروہ بن مسعود کو شان بنی قریظہ میں پس کہ شاید مامور ہیں ہم اسی پر پس جب کہا عمرؓ نے اسمیں فرمایا نبی علیہ السلام نے الحرب خدعۃ۔ اور تھا اسی طرح اس سے کتاب حیلہ اور مخرج گناہ سے پس مقیدر رکھا کلام لفظ لعل سے اور جب اسکے پاس آدمی اور خبر دی کہ اُس نے حلف اُٹھایا طلاق کیساتھ اپنی عورت کو کہ نہ کلام کرے ساتھ بھائی اُسکے سے کہا اُس سے طلاق دے اسے ایک

واحدة فاذا انقضت عدتها فكلم اخاك ثم تزوجها وهذا تعليم الحيلة والآثار فيه كثيرة ومن تأمل احكام الشرع وجد المعاملات كلها بهذه الصفة وقال فمن كره الحيل فى الاحكام فانما يكره فى الحقيقة احكام الشرع والله اعلم بخاری المجلد الثانی ص ۲۳ مقدمة

وصية الاموات فى حيلة الاسقاط

الدليل الاول لوصيت الاموات بقوله تعالى من بعد وصية توصى بها او دين۔

وجه الاستدلال۔ لفظ وصية مطلق لقيد الاد ورات

وجه الاستدلال۔ المطلق يجرى على الاطلاق لان كل افراد ثابتة بالمطلق كمنصوص عليه

وجه الثانى۔ وقع لفظ وصية بقوله تعالى من بعد وصية يوصين بها او دين۔ وجه الثالث۔ وقع وصية بقوله تعالى من بعد وصية توصون بها او دين۔

وجه الرابع۔ لفظ وصية ثبت بقوله تعالى من بعد وصية يوصى

پس جب پوری ہو عدت اس کی پس بات کر اپنے بھائی سے پھر نکاح میں لا اس کو اور یہ تھی تعلیم حیلہ کی اور احادیث اس میں بکثرت ہیں اور جس نے مکر کیا احکام شرع میں گویا تمام معاملات پائے اُس نے اس صفت کے ساتھ اور کہا پس جس نے مکروہ جانا حیلہ کو احکام میں پس اس نے مکروہ جانا درحقیقت احکام شرع کو (اور جس نے احکام شرع کو مکروہ جانا وہ کافر ہے۔ بایت الیوم اکملت لکم

وصیت اموات کی حیلہ اسقاط میں

دلیل اول وصیت اموات کی ساتھ قول رب تعالیٰ کے من بعد وصیۃ توصی بہا او دین

وجہ استدلال کی۔ لفظ وصیت مطلق ہے قید دوران کو

وجہ استدلال کی۔ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے اسلئے کہ تمام افراد ثابت ہیں مطلق جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔

وجہ ثانی۔ واقع ہوا لفظ وصیت ساتھ قول رب تعالیٰ کے من بعد وصیۃ یوصین بہا او دین

وجہ ثالث۔ واقع ہوئی وصیت ساتھ قول رب تعالیٰ کے من بعد وصیۃ توصون بہا او دین

وجہ رابع۔ لفظ وصیت ثابت ہے ساتھ قول رب تعالیٰ کے من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین

بها او دین۔

وعن ابن عباس ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم قال لا یصوم احد من احد ولا یصلی احد عن احد و لکن یطعم عنہ۔ رواہ النسائی[1] عینی بخاری ص ۲۶۲ مجموعہ رسائل شامی جلد اول ص ۳۱۳ مجمع الانہار صوم ص ۲۴۲ مشکل الآثار[2] جلد اول ص ۱۴۱ والسنن الکبری ثم جوہر النقی جلد رابع زیلعی[3] جلد ثانی ص ۴۶۳ ودرایۃ[4] ص ۱۷۷

عن ابن عمر عن النبی قال من مات وعلیہ صیام شهر رمضان فلیطعم مکان یوم مسکینا۔ ترمذی ثم مشکوٰۃ[5] الصوم قضا ص ۱۹۴

دوران القرآن

قال المورخ صاحب الفتوح محمد ابن عمر الواقدی[6] اخبرنا عاصم عن ابن جریج عن ابی شہاب عن ام سلمۃ عن ابی موسیٰ الاشعری قال فعل عمر تداور جزء القرآن من مالی لا الیٰ عمر یتساءلون فی عشرین رجلا بعد صلوٰۃ الجنازۃ لامرءۃ ملقبۃ بحبیبۃ زوجۃ قلاب (وفی نسخۃ ملاب) فتاویٰ سمرقندی[7] لابی اللیث و منہاج الواعظین ص ۲۶۴ ودرۃ البرر لامام الغزالی۔

---

(۱) مؤلف السنن الکبری الحافظ احمد النسائي توفي سنة ۳۰۳ هـ. [۹۱۵ م.] في رَمْله

(۲) مؤلف مشكل الآثار محمد الاصفهاني توفي سنة ٤٠٦ هـ. [۱۰۱۵ م.]

(۳) عثمان الزيلعي الحنفي توفي سنة ٧٤٣ هـ. [١٣٤٣ م.] في مصر

(٤) مؤلف الدراية في شرح الهداية محمد الهروي توفي سنة ٩٢٨ هـ. [١٥٢١ م.]

(٥) مؤلف المشكوة محمد ولي الدين التبريزي الشافعي توفي سنة ٧٤٩ هـ. [١٣٤٧ م.]

(٦) محمد الواقدي توفي سنة ٢٠٧ هـ. [٨٢٢ م.] في بغداد

(٧) ابو الليث نصر السمرقندي توفي سنة ٣٧٣ هـ. [٩٨٣ م.]

اور روایت ہے ابن عباسؓ سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ روزہ رکھے ایک آدمی دوسرے کیلئے اور نہ نماز پڑھے ایک دوسرے کیلئے مگر طعام دے ایک دوسرے کیلئے۔

اور مروی ہے ابن عمرؓ وہ نبی علیہ السلام سے کہ فرمایا آپؐ نے جو فوت ہوا اور اس پر رمضان کے روزے تھے پس لازم ہے کہ کھانا کھلائے جگہ مسکینوں کو ایک دن۔

دوران قرآن

کہا مؤرخ صاحب الفتوح نے جو محمد ابن عمر الواقدی ہیں خبر دی مجھے ابو عاصم نے اُنہوں نے ابن جریج سے اُنہوں نے ابی شہاب سے ام سلمہؓ سے وہ ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا کہ پھرایا عمرؓ نے جزو قرآن کی تیسویں پارے تیسویں تک بیس آدمیوں میں نماز جنازہ کے بعد واسطے ایک عورت کے جو لقب دی گئی ہے ساتھ حبیبہ کے جو زوجہ ہے تلاب کی (اور ایک نسخہ میں طلاب ہے)

حدثنا العباس بن سفيان عن ابن علية عن عون عن محمد عن عبد الله بن عمر قال عمر ايها المسلمون اجعلوا القرآن وسيلة لنجاة الموتى فحلقوا وقولوا اللهم اغفر لهذا الميت بحرمة قرآن المجيد وثبت بهذا السند ايضاً اخبر سعد عن ايوب عن جميع عن عبد الرحمن عن ابى بكر انه وجد دوران القرآن عمر والقرآن شافع للمؤمنين حياتا وبعد مماتا. فتاوى سمرقندی ثم منهاج الواضح ص ٢٦٤۔

قال الامام احمد[١] اسهل طريقته ان يبيع الوارث على الفقير[٢] مصحفاً جديداً (اى صحيحا) قابلا للقرءة لغبن فاحش ثم يهب الفقير ثم نشم حتى يتم لعل الله تعالى يجعله فدية فى مقابلة الصوم والصلوٰة والزكوٰة والمنذورات الخ كتاب الحيل لامام محمد۔

وفى الحيل اختلاف لسرفراز خان النجدى هو يقول كتاب الحيل ليس لامام محمد۔ فثبت انه جاهل ان كل العلماء يقولون انكتاب الحيل لامام محمد ودرة البرر لامام الغزالى ثم منهاج الواضح ص ٢٦٥

نا فكروا فهم بل منكر الحيلة - فيه حق وايات الجيلة

---

(١) الامام احمد ابن حنبل توفى سنة ٢٤١ هـ. [٨٥٥ م.] فى بغداد

(٢) الفقير رجل لا يملك المال بقدر نصاب الفطر سوى المحتاج اليه من الدار واللباس و الغذاء و هو اموال مختلفة و قيمته عشرون مثقالا من الذهب و المثقال عشرون قيراطا وهو اربعة غرام وثمانون سانتى غرام ليرة ذهبية عثمانية واحدة و نصف مثقال ونصاب الفطر ٩٦ غراما من الذهب و هو ثلاثة عشر و ثلث ليرة ذهبية

روایت ہے ابن عباسؓ سے وہ ابی علیہ سے وہ عون سے وہ محمد سے وہ عبداللہ بن عمر سے کہ فرمایا عمرؓ نے اے مسلمانو قرآن کو وسیلہ پکڑو پس حلقہ بناؤ اور کہو اے اللہ بخشدے اس میت کو بوسیلہ قرآن مجید کے اور ثبت ہے اس سند سے اسطرح کہ روایت ہے سعد سے وہ ایوب سے وہ جمیع سے وہ عبدالرحمان سے وہ ابوبکرؓ سے کہ پایا اسنے عمرؓ کو دوران قرآن کرتے ہوئے اور قرآن شافع ہے مؤمنین کو زندگی میں اور بعد موت کے

اور کہا امام محمد نے کہ آسان طریقہ اس کا یہ ہے کہ دے وارث فقیر کو قرآن مجید نیا دین صحیح) قابل قرأت واسطے عین فاحش کے ختم پھر دے فقیر پھر اور پھر یہاں تک کہ تمام ہو جائے شاید پھیردے اللہ تعالےٰ فدیہ اس کو مقابلہ روزوں کے اور نمازکے اور زکوٰۃ کے اور نذروں کے
اور کتاب حیل میں اختلاف ہے سرفراز خان نجدی کو وہ کہتا ہے کہ کتاب الحیل امام محمد کی نہیں ہے
پس ثابت ہوا کہ وہ جاہل ہے اسلیئے کہ تمام علماء کہتے ہیں کتاب الحیل امام محمد کی ہے ۔

پس سوچ کر اور فکر کر اے منکر حیلہ کے ۔ یہ حق ہے اور اسمیں نشانیاں بزرگترین ہیں

له و في المطبوع مصر ص ٤٩٢
ج٢ الآخر

و المستحق للصدقة من قلنا

المنصوص عليها في المذهب وعليه العمل اليوم ان يجمع الوارث عشرة رجال ليس فيهم غني ولا عبد ولا صبي ولا مجنون الخ ومما تعارفه الناس ونص عليه اهل المذهب ان الواجب ادارة مشتملة على نقود او غيرها كجواهر وحلي وبنوا الامر على اعتبار القيمة ولا دارة الصرة طرايق - مجموعه رسائل شامي المجلد الاول ص ٢١٢-٢١١

وان كانت الصلوة كثيرة والحنطة قليلة يعطى ثلثة اصوع عن صلوة يوم وليلة مع الوتر مثلا الى الفقير ثم يدفعها الفقير الى الفقير ثم يدفعها الفقير الى الوارث هكذا يفعل مرارا حتى يستوعب الصلوة ونحوها كبيري جلد فوائت ص ٥٨٣ تتارخانيه ثم جواهر النفيس[1] ص ٣٠ الملتقط - اشباه والنظائر وشرح هدية ابن العماد[2] جامع الرموز[3] كتاب الصوم ص ١٦٢ وقاضي خان[4] المجلد الاول ص ١٧٠ وشامي جلد اول ص ٢١٢-٢١٠ ان تبرع الولي بالاسقاط يجوز الخ ويجوز التبرع الاجنبي به - مراقي الفلاح ص ٢٦٣[5] طحطاوي وشامي جلد اول ص ٤٩٢ ومنحة الخالق[6] المجلد الثاني ص ٩٧

---

(١) مؤلف جواهر النفيسة عمر القاهري توفي سنة ١٠٧٩ هـ. [١٦٦٨ م.]

(٢) عبد الرحمن ابن عماد الحنفي العمادي توفي سنة ١٠٥١ هـ. [١١٨٣ م.] في الشام

(٣) مؤلف جامع الرموز محمد القهستاني توفي سنة ٩٦٢ هـ. [١٥٥٥ م.] في بخارى

(٤) قاضيخان حسن الفرغاني توفي سنة ٥٩٢ هـ. [١١٩٦ م.]

(٥) طبع في كراجي سنة ١٣٩٤ هـ. [١٩٧٤ م.] ص: ٢٣٨

(٦) مؤلف منحة الخالق على البحر الرائق محمد أمين ابن عابدين توفي سنة ١٢٥٢ هـ. [١٨٣٦ م.] في الشام

حیات انبیاء اور شہداء کے بارے میں

جان لے بے شک انبیاء زندہ ہیں اور اپنے قبور میں نماز پڑھتے ہیں اور شہدا بھی زندہ ہیں واسطے قول رب تعالیٰ کے اور نہ کہو مردہ اُن کو جو اللہ کے رستے میں قتل کیے جائیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور دوسرے مقام پر فرمایا بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں سے رزق دیئے جاتے ہیں اور کہا جلال الدین سیوطیؒ نے حاوی الفتاوٰی میں کہ انبیاء افضل ہیں شہداء سے۔ ای افضل ہیں حیوٰۃ قبریہ میں اور رزق کے کھانے میں

روایت ہے ابوبکر بن شیبہ سے وہ حسین بن علی سے وہ عبدالرحمان بن یزید بن جابر سے وہ ابی الاشعث صنعانی سے وہ شداد بن اوس سے کہ فرمایا رسول اللہ نے افضل ایام میں سے جمعہ ہے اسی میں آدم پیدا ہوا اور اسی میں نفخ ہے اور اسی میں صعقہ ہے پس کثرت کرو مجھ پر درود سے اسمیں پس تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے پس کہا ایک آدمی نے یا رسول اللہ ہم آپ پر درود کیسے پیش کریں تحقیق آپ تو رخصت ہوئے پس کہا آپ نے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا زمین پر کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے

فائدہ۔ یہ ہوا کہ انبیاء کرام زندہ ہیں اور ہمارے زمانے کے وہابیہ کہتے ہیں کہ وہ مر گئے نعوذ باللہ من شرور انفسہم پس ثابت ہوا کہ وہابیہ تمام

حیوۃ الانبیاء والشہداء

اعلم ان الانبیاء احیاءٌ ویصلّون فی قبورہم والشہداء ہم احیاء لقولہٖ تعالیٰ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاء وفی المقام الثانی بل احیاءٌ عند ربہم یرزقون۔

وقال جلال الدین السیوطیؒ فی الحاوی للفتاوٰی الانبیاءُ افضل من الشہداء۔ ای افضل فی حیوۃ القبر وافضل فی اکل الرزق

حدّثنا ابوبکر بن شیبۃ عن حسین بن علی عن عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن شداد بن اوس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق اٰدم وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ فقال رجل یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت یعنی بلیت فقال ان اللّٰہ حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔ رواہ ابن ماجۃ ص ۷۶

فائدۃ۔ ان الانبیاءِ احیاءٌ ویقولون الوہابیۃ زماننا ہم اموات العیاذ باللّٰہ من شرور انفسہم فثبت ان الوہابیۃ کاہم

حیات انبیاء اور شہداء کے بارے میں

جان کہ بے شک انبیاء زندہ ہیں اور اپنے قبور میں نماز پڑھتے ہیں اور شہداء بھی زندہ ہیں واسطے قول رب تعالیٰ کے اور نہ کہو مردہ اُن کو جو اللہ کے رستے میں قتل کئے جائیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور دوسرے مقام پر فرمایا بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں سے رزق دیئے جاتے ہیں اور کہا جلال الدین سیوطیؒ نے حاوی الفتاویٰ میں کہ انبیاء افضل ہیں شہداء سے۔ ای افضل ہیں حیوٰۃ قبریہ میں اور رزق کے کھانے میں

روایت ہے ابوبکر بن شیبہ سے وہ حسین بن علی سے وہ عبدالرحمان بن یزید بن جابر سے وہ ابی الاشعث صنعانی سے وہ شداد بن اوس سے کہ فرمایا رسول اللہ نے افضل ایام میں سے جمعہ ہے اسی میں آدم پیدا ہوا اور اسی میں نفخ ہے اور اسی میں صعقہ ہے پس کثرت کرو مجھ پر درود سے اسمیں پس تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے پس کہا ایک آدمی نے یارسول اللہ ہم آپ پر درود کیسے پیش کریں گے تحقیق آپ تو رخصت ہوئے پس فرمایا آپ نے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا زمین پر کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے

فائدہ ۔ یہ ہوا کہ انبیاء کرام زندہ ہیں اور ہمارے زمانے کے وہابیہ کہتے ہیں کہ وہ مر گئے نعوذ باللہ من شرور انفسہم پس ثابت ہوا کہ وہابیہ تمام

ضال مضل كما في الصاوي على الجلالين[1] ★ وكذلك سائر الاموات ايضا يسمعون السلام والكلام ويعرض عليهم اعمال اقاربهم نعم الانبياء يكون حياتهم على الوجه الاكمل ص١١ حاشية ابن ماجه[2]

ثبوت الرزق هم ياكلون في قبورهم

ففي اكل الرزق احاديث كثيرة وللثبوت يكفي واحد للعاقل وهم كثيرة للمجنون حدثنا عمرو بن سواد المصري عن عبد الله بن وهب عن عمرو بن الحارث عن سعيد بن ابي هلال عن يزيد بن ايمن عن عبادة بن نسي عن ابي الدرداء قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اكثروا الصلوة علي يوم الجمعة فانه مشهود تشهده الملئكة وان احدا لن يصلي علي الا عرضت علي صلوته حتى يفرغ منها قال قلت وبعد الموت ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء فنبي الله حي يرزق رواه ابن ماجه ص٧٦

ثبوت صلوة الانبياء في قبورهم

واخرج البيهقي[3] في كتاب حيوة الانبياء عن انس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الانبياء احياء في قبورهم يصلون. رواه البيهقي.

★ وفي [illegible] ص ٣٠٩

---

(١) احمد الصاوي المالكي المصري توفي سنة ١٢٤١ هـ. [١٨٢٥ م.]

(٢) محمد ابن ماجه توفي سنة ٢٧٣ هـ. [٨٨٦ م.]

(٣) احمد البيهقي الشافعي النيشابوري توفي سنة ٤٥٨ هـ. [١٠٦٦ م.]

گمراہ ہیں اور گمراہ کرنے والے ہیں جیساکہ صاوی میں مذکور ہے اور ایسے ہی تمام اموات سنتے ہیں سلام و کلام کو اور ان کے رشتہ داروں کے اعمال ان پر پیش کیے جاتے ہیں تو ایسا ہی حیوۃ انبیاء ہوگی وجہ اکمل سے۔

ثبوت انبیاء کا قبور میں رزق کھانا

پس اکل الرزق میں احادیث بہت ہیں ایک بھی کافی ہے اور بہت بھی۔ روایت ہے عمرو بن سواد مصری سے وہ عبداللہ بن وہب سے وہ عمرو بن حارث سے وہ سعید بن ابی ہلال سے وہ زید بن ایمن سے وہ عبادہ بن نسی سے وہ ابی الدرداء سے کہ فرمایا رسول اللہ نے جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو اسلئے کہ یہ مشہود ہے گواہی دیتے ہیں فرشتے اور تم میں جب کوئی درود پڑھتا ہے مگر مجھ پر پیش کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس سے فارغ ہوتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں اور بعد موت کے اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجساد حرام کر دیئے ہیں اکل کے۔ پس اللہ کا نبی زندہ ہے رزق دیا جاتا ہے۔

ثبوت انبیاء کا قبور میں نماز پڑھنا

اور کہا بیہقی نے حیاۃ انبیاء میں روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ نے انبیاء زندہ ہیں اپنے قبور میں نماز پڑھتے ہیں۔

واخرج ابو نعیم فی الحلیۃ عن یوسف بن عطیۃ قال سمعت ثابتاً البنانی یقول لحمید الطویل ھل بلغک ان احداً یصلی فی قبرہ الا الانبیاء؟ قال لا ۔ الحاوی للفتاوی المجلد الثانی ص ۲۶۴

وذکر عینی البخاری لان الانبیاء علیھم السلام احیاء عند ربھم یرزقون فلا مانع ان یحجوا فی ھذا الحال لما ثبت فی صحیح مسلم من حدیث انسؓ انہ علیہ السلام رأی موسیٰ قائماً فی قبرہ یصلی ۔ عینی البخاری المجلد الرابع ص ۵۴۳

واخرج البیھقی فی حیٰوۃ الانبیاء والاصبھانی[١] فی الترغیب عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی فی یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ قضی اللہ لہ مائۃ حاجۃ، سبعین من حوائج الاخرۃ و ثلاثین من حوائج الدنیا ثم وکل اللہ بذلک ملکا یدخلہ علی فی قبری کما یدخل علیکم الھدایا ان علمی بعد موتی کعلمی فی الحیٰوۃ ولفظ البیھقی یخبرنی من صلی علی باسمہ فاثبتہ عندی فی صحیفۃ بیضاء ۔

والثانی عن انس عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الانبیاء

---

(١) الاصفهاني احمد ابو نُعيم توفي سنة ٤٣٠ هـ. [١٠٣٩ م.]

اور کہا ابو نعیم نے حلیہ میں روایت ہے یوسف بن عطیہ سے کہ سنا میں نے ثابت بنانی سے حمید طویل سے کہہ رہے تھے کہ کیا تجھے معلوم ہوتے کہ انبیاء کیسوا کوئی اپنی قبر میں نماز پڑھتا ہے فرمایا کہ نہیں۔

اور ذکر کیا عینی بخاری نے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اپنے رب سے رزق ملتا ہے بیس کیا ہے کہ ہم حجت پکڑیں اس حال میں جیسا کہ ثابت ہے صحیح مسلم سے حدیث انسؓ سے کہ تحقیق نبی علیہ السلام نے دیکھا موسیٰؑ کو اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے

اور کہا بیہقی نے حیات انبیاء میں اور اصفہانی نے ترغیب میں روایت ہے انسؓ سے کہ فرمایا رسول اللہؐ نے جو مجھ پر جمعہ کے دن یا رات کو درود پڑھے گا پوری کریگا اللہ تعالیٰ اس کیلیے سو حاجت۔ ستر حاجات آخرت کی ہے اور تیس دنیا سے پھر موکل بنایا رب تعالیٰ نے اس ایک فرشتہ کو جو داخل ہوتا ہے قبر میں جیسے داخل ہوتے تم پر تحفے بیشک میرا علم بعد موت کے مثل علم حیات کا ہے اور لفظ بیہقی کا کہ بتایا گیا ہوں جس نے مجھ پر نام لیکر درود پڑھا پس وہ ثبوت ہے میرے پاس سفید صحیفہ میں

اور دوسری حدیث روایت ہے انسؓ سے وہ رسول اللہ سے فرمایا کہ بے شک انبیاء

لا یترکون فی قبورهم بعد اربعین لیلة ولکنهم یصلون بین یدی اللہ
حتیٰ ینفخ فی الصور۔ حاوی الفتاوی المجلد الثانی ص ٢٦٥
واخرج ابو یعلیٰ عن ابی هریرة سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
والذی نفسی بیدہ لینزلن عیسیٰ بن مریم ثم لئن قام علیٰ قبری فقال
یا محمد لاجیبنہ۔
واخرج ابن سعد فی الطبقات وابو نعیم فی دلائل النبوة عن سعید
بن المسیب انہ کان یلازم المسجد فی ایام الحرة والناس یقتتلون
قال فکنت اذا حانت الصلوٰة اسمع اذانا یخرج من قبل القبر
الشریف وایضا اخرج ابو نعیم فی دلائل النبوة الخ فثبت ان
الانبیاء والشهداء احیاء ومن انکر من حیاتهم فهو خارج
عن مذاهب الاربعة وهو ضال مضل۔

للمؤلف

انما الرسل والشهداء لا یموتون
بل احیاء عند ربهم یرزقون

بل الکفار لیس بحی فی قبورهم
والانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون

عامر القادری یوم الاحد ١٥ نوامبر ١٩٧٦ء عیسوی

نہیں چھوڑے جاتے اپنی قبور میں چالیس[4] رات کے بعد ولیکن وہ اللہ کیلئے نمازیں پڑھیں گے تا قیامت۔

اور کہا ابو یعلیٰ نے وہ راوی ہیں ابو ہریرہ سے کہ سنا میں نے نبی علیہ السلام سے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جسکے قبضے میں میری جان ہے جب نازل کیا عیسیٰ[4] بن مریم پھر اگر کھڑا ہو میری قبر پر اور کہے یا محمد البتہ میں ضرور جواب دوں گا۔

اور کہا ابن سعد نے طبقات میں اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں روایت ہے سعید بن المسیب سے کہ وہ لازماً جایا کرتے تھے مسجد کو شدید گرمی میں اور لوگ کہا پس جب میں تیار ہوتا نماز کیلئے سنتا میں آذان قبر کے آگے حصہ سے اور شہداء زندہ ہیں جس نے اُنکی حیات سے انکار کیا پس وہ خارج ہے مذاہب اربعہ سے اور وہ گمراہ ہے اور ونکو گمراہ کرنے والا ہے۔

یہ شعر مصنف کے لیے

بے شک شہداء اور رسول نہیں مرے ہوئے
بلکہ زندہ ہیں رب کے پاس سے رزق کھاتے ہوئے
ولیکن زندہ نہیں کفار مثل نبی ہمارے
اور انبیاء زندہ ہیں قبور میں نمازیں پڑھتے ہوئے۔

الوسيلة بالانبياء والاولياء

الوسيلة ثابتة بنص قطعي لقوله تعالى وابتغوا اليه الوسيلة - ولما جاءهم كتاب من عند الله مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا فلما جاءهم ما عرفوا كفروا به فلعنة الله على الكفرين.

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا الرحيما.

ان قلت الانبياء والاولياء ليس الوسيلة بهم عند الله بل الوسيلة عند الله العمل الصالح ؟

قلنا

قولك بل الوسيلة العمل الصالح فاى الحجة عندك ان عملك مقبول عند الله فثبت وسيلة العمل الصالحة جائز ولكن شك فى قبوليته والوسيلة الانبياء ليس فيه شك ومن اوشك فى مقبوليتهم فقد كفر - وايضا يسئل الوسيلة الامام

وسیلہ انبیاء و اولیاء کا

وسیلہ ثابت ہے قطعی نص سے یہ قول رب تعالیٰ کا اور طلب کرو اسکی طرف وسیلہ
اور جب آئی انکے طرف کتاب اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والی گزشتہ کتابوں کو اور تھے
قبل ازیں طلب فتح کرتے تھے کافروں پر پس جب آئی انکے طرف نہ پہچانا انہوں نے بلکہ منکر
ہوئے اس سے پس لعنت ہو اللہ کی کافروں پر۔
اور اگر یہ لوگ اپنی جانوں پہ ظلم کرکے آپؐ کے پاس آئیں پس بخشتے ان کو رب تعالیٰ اور
بخشش مانگے ان کیلئے رسولؐ البتہ ضرور پائینگے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان
اگر تو کہے کہ انبیاء اولیا وسیلہ نہیں بلکہ وسیلہ عند اللہ عمل صالح ہے۔

قلنا

قول تیرا کہ عمل صالح وسیلہ ہے۔ پس کیا دلیل ہے تیرے پاس کہ تیرے عمل اللہ کے ہاں مقبول ہیں
پس ثابت ہوا کہ وسیلہ اعمال صالحہ کا جائز ہے۔ لیکن اسکی مقبولیت میں شک ہے اور وسیلہ میں
انبیاءؑ کا اس میں کوئی شک نہیں اور جس نے شک کیا ان کی مقبولیت میں وہ کافر ہے اور اسی طرح
وسیلہ پکڑا امام اعظمؒ نے

الاعظم رضی اللہ عنہ فی قصیدۃ النعمان بن ثابت
یا سید السادات جئتک قاصدا۔ ارجوا رضاک واحتمی بحماک۔ قصیدۃ النعمان ومجموعہ قصائد ص۲۱ مطبوعہ مجتبائی دہلی

وایضا قال امام شرف الدین بوصیری[1] فی قصیدۃ البردۃ
یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ۔ سواک عند حلول الحادث العمم

وایضا قال مولانا جامی[2] المصنف لشرح جامی فی زلیخا
زمہجوری برآمد جان عالم۔ ترحم یا نبی اللہ ترحم
نہ آخر رحمۃ للعالمینی۔ زمہجوراں چرا غافل نشینی (زلیخا)

وقال مولانا شاہ عبد العزیز محدث الدہلوی فی تفسیر عزیزی پارہ عم سورۃ والضحی

یا صاحب الجمال ویا سید البشر
من وجھک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا ای بزرگ توئی قصہ مختصر

وایضا قال رئیس المخالفین مولوی اشرف علی التھانوی

---

(۱) محمد البوصیری توفي سنة ٦٩٥ هـ. [١٢٩٥ م.] في مصر

(۲) عبد الرحمن الجامي توفي سنة ٨٩٨ هـ. [١٤٩٢ م.] في هرات

قصیدہ نعمان میں۔ کہ اے سرداروں کے سردار آیا ہوں تیرے پاس قاصد۔ اُمید رکھتا ہوں

تیری رضاجوئی کی اور حمایت کر ساتھ حمایت اپنی کی۔

اور اسی طرح کہا امام بوصیریؒ نے قصیدہ بردہ میں۔ اے مہربان مخلوق کے آپکے سوا میرا

کوئی نہیں مصیبتوں کے وقت جسکی پناہ لوں۔

اور اسیطرح کہا مولانا جامیؒ نے جو شرح جامی کے مصنف ہیں زلیخا میں

جدا سے عالم کی جان نکل رہی ہے یارسول اللہ رحم فرمایئے کیا آپ رحمۃ للعالمین نہیں ہیں؟ پھر

ہم مجبوروں سے کیوں فارغ ہو بیٹھے۔

اور کہا مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے تفسیر عزیزی میں

اے صاحب جمال والے اور اے بشر کے سردار آپکے چہرہ مبارک سے چاند منور ہے نہیں ممکن

تعریف تمہاری جیسا کہ حق ہے مختصر یہی ہے کہ خدا کے بعد آپ کی ذات بزرگ ہے

اور اسی طرح کہا منا لفین کے سردار مولوی اشرف علی تھانوی نے

يا شفيع العباد خذ بيدي، أنت في الاضطرار معتمدي

نشر الطيب مطبوعہ تاج کمپنی ص ۱۹۴ حوالہ بز ۲ ۱۰۲ تاج

فتوىٰ در جواز التوسل بالانبياء والاولياء عند الوهابية

عندنا وعند مشائخنا يجوز التوسل في الدعاء من الانبياء والاولياء والشهداء والصالحين عند حياتهم وعند بعد وفاتهم بهذا اللفظ اللهم انى اسئلك بوسيلة فلان

ويقول كهذا الكلمات شيخ مولوی محمد اسحاق[1] محدث دہلوی ثم المکی وفتاوی رشیدیہ جلد اول ص ۹۳

اللهم انصرنا عليهم بالنبي المبعوث في آخر الزمان بجد صفته في التوراة وبهذا الكلام يفتحون اليهود الوسيلة بجاه النبي الكريم كما في معالم التنزيل والخازن و تفسير الكبير وتفسير مظهری لقاضی ثناء الله پانی پتی[2] ص ۱۹۴ ج ۱

وتفسير جمل المجلد الاول ص ۷۷ مطبوعہ مصر

وعن انس بن مالك ان عمر بن الخطاب انا كنا نتوسل اليك بنبينا عليه السلام فتسقينا وانا نتوسل اليك بعم النبي

---

(۱) محمد اسحاق بن افضل بن عبد العزيز الدهلوي النجدي توفي سنة ۱۲۶۲ هـ. [۱۸٤٥ م.]

(۲) ثناء الله پانپتي خليفه مظهر جانجانان توفي سنة ۱۲۲۵ هـ. [۱۸۱۰ م.] في پاني پت هند و سيد مظهر جانجانان استشهد سنة ۱۱۹۵ هـ. [۱۷۸۱ م.] في دلهي

اے شفاعت کرنے والے بندوں کے میرا ہاتھ پکڑ لیجئے اس لئے کہ تو میرا آپ پر اعتماد ہے مصائب میں
فتوای جواز توسل میں انبیاء و اولیاء کیساتھ وہابیہ کے نزدیک۔ ہم اور ہمارے علماء توسل کو
دعاؤں میں جائز سمجھتے ہیں اولیاء انبیاء و شہداء اور صالحین کا اُنکی حیات میں اور
بعد وفات میں ان الفاظ سے اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں بحق فلاں کے اور اس جیسے اور
کلمات کہے۔

اے اللہ مددگار ہو ہمارا نبیؐ سے جو مبعوث ہو گئے آخر زمانہ میں نعت اُنکی ہم نے توراۃ میں پائی
اس کلام سے یہود وسیلہ کرتے تھے ساتھ بزرگی نبی علیہ السلام کے جیسا کہ معالم التنزیل اور خازن
میں اور تفسیر کبیر میں

اور روایت ہے انس بن مالک سے کہ عمر بن الخطاب ہم توسل کرتے تھے تیری طرف
نبی علیہ السلام سے پس تو ہم پر بارش برسا دیتا تھا اور اب ہم توسل کرتے ہیں تیری طرف
نبی علیہ السلام سے

فاسقنا قال فيسقون رواه البخاری ص ۱۳۷ ج ۱ والمشکوٰة فی باب صلوٰة الاستسقاء۔

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لما اعترف ادم علیه السلام بالخطیئة قال یا رب اسئلك بحق محمد لما غفرت لی فقال الله یا آدم کیف عرفت محمدا الخ فقال الله تعالیٰ اذ سئلتنی بحقه فقد غفرت لك ولولا محمد ما خلقتك۔ شفاء السقام[1] ص ۱۶۲، ۱۶۱

وقال شاه عبد العزیز محدث دهلوی[2]۔ انا المرید ی جامع لشتاته اذا ما سطا جوار الزمان بنکبة وان کنت فی ضیق وکرب ووحشة فناد بیا زروق آت بسرعة بستان المحدثین ص ۱۳۵ واردو ص ۲۰۶

ومن انکر التوسل به بأحد هٰذین المعنیین فهو کافر مرتد یستتاب فان تاب والا قتل مرتدا۔ التوسل والوسیلة ص ۱۳ بیروت

واما دعائه وشفاعته وانتفاع المسلمین بذالك فمن انکره فهو ایضًا کافر۔ التوسل والوسیلة ص ۱۳ مطبوعه بیروت لبنان

---

(۱) مؤلف شفاء السقام ابو الحسن علي السبكي توفي سنة ۷۵٦ هـ. [۱۳۵۵ م.] في القاهرة

(۲) شاه عبد العزيز دهلوى ابن شاه ولى الله دهلوى توفى سنة ۱۲۳۹ هـ. [۱۸۲٤ م.] فى دلهى

پس برسا ہم پر پس برسی بارش۔

روایت ہے عمر بن الخطاب سے کہ فرمایا رسول اللہ نے جب سرزد ہوئی خطا آدم علیہ السلام سے کہ اے رب سوال کرتا ہوں تجھ سے بوسیلہ محمدؐ کے بخشدے مجھے پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم کیونکر جانتا ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الخ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تو مجھ سے محمدؐ کی وسیلہ سے مانگتا ہے تو میں نے تجھے بخش دیا۔

اور کہا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے میں اپنے مرید کا اس کی پراگندیوں میں جامع ہوں جبکہ جور زمانہ سختی کے ساتھ اس پر حملہ کرے گا اگر تو تنگی اور سختی میں ہو تو یا رزوق کہہ کر مجھے پکار میں جلدی آؤں گا

اور جس نے انکار کیا توسل کا ان معنیٰ سے پس وہ کافر مرتد ہے توبہ کرے ورنہ قتل ہوگا مرتد

اور وہ موجود ہے اور شفاعت ہے آپؐ کی اور نفع پہنچانا مسلمانوں کو آپؐ کے ساتھ پس جس نے انکار کیا اس سے پس وہ اسی طرح کافر ہے۔

استفتاء

اخذ الاجرة بلا شرط على تعليم القرآن جائز ام لا
بينوا وتوجروا؟

الجواب بعون الملك الوهاب

اخذ الاجرة بلا شرط على تعليم القرآن جائز فى زماننا كما فى كتب الفقهاء ۔ والمفتى اليوم بصحتها لان المنع فى ذلك الزمان لرغبة الناس فى التعليم وحسبة ومروة المتعلمين فى مجازات الاحسان بالاستحسان بلا شرط فى زماننا ۔ شرح الياس المجلد الثالث ص ۱۲۳

وبعض مشايخنا استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم لانه ظهر التوانى فى الامور الدينية ففى الامتناع يضيع حفظ القرآن وعليه الفتوى ۔ هدايه جلد الثالث ص ۳۰۳

وقال فى البريقة[1] شرح الطريقة المحمدية اذا لم يكن عقد ولا شرط فقرؤ الروح الميت رضاً لله تعالى فاعطاه قريب الميت شيئاً من المال فجائز ۔ البريقة ص

ويجوز الاستيجار على القرءة والدعاء حادى الغنائى ص ۱۹۷ مطبوعه

---

(١) مؤلف البريقة محمد الخادمي توفي سنة ١١٧٦ هـ. [١٧٦٢ م.] في قونية

فتویٰ

اُجرت بلا شرط تعلیم قرآن پر لینا جائز ہے یا نہیں بینوا وتوجروا ؟

جواب

اُجرت بلا شرط تعلیم قرآن پر لینا ہمارے زمانہ میں جائز ہے جیسا کہ کُتب فقہاء میں اور فتویٰ اسکے صحیح ہونے پر ہے اس لئے کہ منع اس زمانہ میں واسطے رغبت لوگوں کے تعلیم میں از روئے حسبت اور کسانی متعلمین کیلئے بارے احسان بالاحسان بغیر شرط کے جائز ہے۔

اور علماء ہمارے نے مستحسن جانا اُجرت تعلیم قرآن پر آج کل اس لیئے کہ ظاہر ہوا اپانا امور دینیہ میں پس اسکے منع کرنے سے ضائع ہوتا ہے حفاظت قرآن کی اور اسی پر فتوای ہے۔

اور کہا بر لیقہ شرح طریقہ محمدیہ میں جب کہ نہ ہو عقد اور شرط پس پڑھا جائے میت کی روح کیلئے اللہ کی رضا کی خاطر پس دے قریب میت سے ختم مال سے پس جائز ہے۔

اور جائز ہے اُجرت قرءت اور دُعا پر۔

ویجوز الاستیجار علی تعلیم القرآن وقرءة القرآن عند القبر

عالمگیری[1] تعلیم اللغۃ والادب ص ۲۷۲ جلد خامس۔

نثبت ان الاستیجار علی تعلیم القرآن جائز فی زماننا کما اختارہ علماء المتاخرین۔

مفتی اعظم سرحد علامہ شائستہ گل صاحب المتوی ومولانا عبد السبحان القادری ومولانا عامر القادری ہو الصحیح المجیب المصیب مولانا محمد یعقوب قادری

الغیب العطائی للنبی علیہ السلام

تعریف ما غاب عن العباد

اثبات بالآیات۔ قولہ تعالیٰ فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول پ ۲۹ الجن

وما ہو علی الغیب بضنین ای ماھو البخیل علی الغیب فان اللہ لا یخفی الغیب علی النبی علیہ السلام بل مظاہر علیہ جمیع المغیبات

فان قلت النبی علیہ السلام لیس العالم بغیب لقولہ تعالیٰ وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمہا الا ہو۔ قل لا یعلم الغیب الا اللہ

---

(۱) محمد أورنكزيب عالمكير سلطان الهند توفي سنة ۱۱۱۸ هـ. [۱۷۰۷ م.]

اور جائز ہے اُجرت تعلیم قرآن پر اور پڑھنا قرآن کا قبر کے نزدیک
پس ثابت ہوا کہ اُجرت تعلیم قرآن پر ہمارے زمانہ میں جائز ہے جیسا کہ علماء متاخرین نے مختار کیا ہے۔

غیب عطائی النبی علیہ السلام

تعریف جو غائب ہو آدمیوں سے
یہ قول رب تعالیٰ کا پس نہیں ظاہر کرتا ہے غیب کو کسی پر مگر جس رسول پر راضی ہو جائے۔
اور نہیں وہ غیب بتانے میں بخیل پس اللہ تعالیٰ نہیں پوشیدہ کرتا غیب کو بلکہ ظاہر کرتا ہے تمام مغیبات کو آپ پر

پس اگر تو کہے کہ نبی علیہ السلام عالم الغیب نہیں واسطے قول رب تعالیٰ کے اور اسکے ہاں غیب کی کنجیاں ہیں نہیں جانتا کوئی اسے مگر وہی۔ فرما دو نہیں جانتا کوئی غیب

ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ما تکسب غدا وما تدری نفس بای ارض تموت ان اللّٰہ علیم خبیر

قلنا

یعطی الغیب للنبی علیہ السلام کما قال اللّٰہ تعالیٰ ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک وقال قاضی عیاضؒ فالنبوۃ فی لغۃ من همز ما أخوذۃ من النبأ وهو الخبر والمعنیٰ ان اللّٰہ تعالیٰ اطلعہ علی غیبہ

شفا شریف المجلد الاول ص ۱۶۰-۱۶۱

وقال اللّٰہ تعالیٰ وما کان اللّٰہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللّٰہ یجتبی من رسلہ من یشاء فاٰمنوا باللّٰہ ورسولہ وان تؤمنوا وتتقوا فلکم اجر عظیم۔ وقال الشاعر۔ تو دانائے ما کان وما یکون ہے

مگر بے خبر بے خبر دیکھتے ہیں۔

ای یا رسول اللّٰہ ان اللّٰہ تعالیٰ یعطی لک الغیب ولکن الوهابیۃ لا ینظرون الی غیبک۔

وقال حسین احمد الدیوبندی للنبوۃ علم الملئکۃ وعلم التقدیر وعلم احوال الساعۃ وعلم الحشر والنشر وعلم الجنۃ والنار وعلم الحلال والحرام

سوائے اللہ کے اور اللہ کے نزدیک علم ہے قیامت کا اور نزول بارش کا اور جانتا ہے ارحام میں سب کچھ اور نہیں جانتا کوئی کس زمین پر مرے گا اللہ تعالیٰ عالم ہے باخبر ہے

قلنا

بس نبی علیہ السلام کو علم غیب دیا گیا ہے جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ غیب کی خبریں ہیں ہم نے آپ کی طرف وحی کیں اور کہا قاضی عیاض نے پس نبوت لغت میں ماخوذ ہے نبأ اور خبر ہے اور معنیٰ یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مطلع کیا آپ پر غیب کو اور یہ قول رب تعالیٰ کا اور نہیں رب تعالیٰ کہ اطلاع دے تم کو غیب پر ولیکن اللہ جس رسول کو چن لے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اسکے رسول پر اگر تم ایمان لائے اور ڈرے پس تمہارے لئے اجر عظیم ہے

شعر کا مطلب۔ یعنی یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم غیب عطا فرمایا و لیکن وہابیہ آپکے غیب کو نہیں دیکھتے۔

اور کہا حسین احمد مدنی دیوبندی نے نبوت کیلئے مدارکہ کا علم تقدیر کا علم اور قیامت کا علم حشر و نشر کا علم جنت و دوزخ کا علم حلال و حرام کا علم۔

من استوعب على النبي صلى الله عليه وسلم او اهانه فقد كفر كما فى خلاصة الفتاوى فى بيان الفاظ وكلمة الكفر۔

والوهابيه يقولون وا ما الغيب للنبى عليه السلام فعالم عليه زيد وعمر العياذ بالله۔

علم ما فى الارحام للنبى عليه السلام

اخرج الخطيب[١] وابو نعيم فى الدلائل عن ابن عباس قال حدثنى ام الفضل قال مررت بالنبى عليه السلام فقال انك حامل بغلام الخ طبرانى فى الكبير وقال السيوطى بسند حسن صحيح كما فى جامع الكبير۔

علم باى ارض تموت

وفى صحيح مسلم عن انس[٢] رضى الله عنه ندب رسول الله صلى الله عليه وسلم الناس فانطلقوا حتى نزلوا بدرا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم هذا مصرع فلان ويضع يده على الارض ههنا وههنا فقال فما ماط (اى ما زال) و ما تجاوز احدهم عن موضع يد رسول الله صلى الله عليه وسلم وفى حديثه عن امير المؤمنين عمر رضى الله عنه والذى بعثه بالحق ما اخطؤا الحدود التى حدها رسول الله صلى الله عليه وسلم رواه مسلم

---

(١) الخطيب البغدادي احمد الشافعي توفي سنة ٤٦٣ هـ. [١٠٧١ م.] في بغداد

(٢) مسلم النيشابوري الشافعي توفي سنة ٢٦١ هـ. [٨٧٥ م.] في نيشابور

جس نے نبی علیہ السلام کی عیب جوئی کی اور اہانت کی پس تحقیق وہ کافر ہے کما فی خلاصۃ الفتاوی
بیان الفاظ کفر اور کلمہ کفر میں ہے۔
اور وہابیہ کہتے ہیں کہ غیب نبی علیہ السلام جیسا زید و عمر کیلئے بھی ہے۔ نعوذ باللہ

ما فی الارحام کا علم

کہا خطیب نے اور ابو نعیم نے دلائل کے اندر روایت ہے ابن عباسؓ سے کہا کہ بتایا مجھے ام الفضل نے کہ گزری میں نبی علیہ السلام پر پس فرمایا آپؐ نے بیشک تو حاملہ ہے لڑکے پر

علم کہ کونسی جگہ مرے گا

اور صحیح مسلم میں ہے روایت ہے انسؓ سے
یہاں تک کہ پہنچے بدر کو پس فرمایا نبی علیہ السلام نے کہ یہ فلاں کی مرنے کی جگہ ہے
اور ہاتھ رکھا اپنا زمین پر جگہ جگہ پس راوی کہتے ہیں کہ نہیں ہوئی تبدیل جگہ کسی کی جہاں آپؐ نے ہاتھ رکھا تھا اور ایک حدیث میں روایت ہے امیر المومنین عمرؓ سے کہ قسم ہے جس نے بھیجا آپؐ کو حق کے ساتھ نہیں خطا ہوتی حدیں وہ جو حد رکھی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

علم وينزل الغيث

اخرج البيهقى عن ابن عباس قال اصابتنا سحابة فخرج علينا النبى ع
فقال ان ملكا مؤكلا بالسحاب دخل على آنفا فسلم على واخبرنى
ان يسوق السحاب الى واد باليمن يقال له ضريح فجاءنا راكب بعد ذلك
فسألناه عن السحابة فاخبر انهم مطروا فى ذلك اليوم قال البيهقى وله
شاهد مرسل عن بكر بن عبد الله المزنى ان النبى عليه السلام اخبر ناعن
مالك السحاب انه يجيئ من بلد كذا وانهم مطروا يوم كذا واثه

صلى الله عليه وسلم - الدولة المكية

علم وما تدرى نفس ماذا تكسب غدا

وفى الصحيحين عن سهل بن سعد رض فى حديث خيبر قوله
صلى الله عليه وسلم لأعطين هذه الراية غدا رجلا يفتح
الله على يديه يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله فاعطاها
عليا - فثبت انه عليه السلام كان يقول موكدا باللام
والنون فقد علم - الدولة المكية - لاحمد رضا خان بريلوى[1]

---

(١) احمد رضاخان البريلوي توفي سنة ١٣٤٠ هـ. [١٩٢١ م.]

علم بارش کا

روایت کی ابن عباس سے بیہقی نے کہ پہنچا ہمیں بادل پس نکلے ہم پر نبی علیہ السلام پس فرمایا کہ بادل کا فرشتہ میرے پاس آیا اور مجھ پر سلام کیا اور مجھے بتایا کہ بارش ہوگی وادیِ یمن میں جسے ضریح کہتے ہیں پس آیا ایک مسافر سوار اسکے بعد پس ہم نے بادل کا پوچھا پس بتایا کہ یہ بارش کرینگے اسی دن میں لفظ بیہقی کا کہ اس واسطے شاید مرسل تھا۔ روایت ہے بکر بن عبداللہ المزنی سے کہ تحقیق نبی علیہ السلام نے ہم کو بتایا بادل کے فرشتہ سے کہ یہ آئے فلاں شہر کو اور اس دن بارش کرینگے

علم کہ صبح کوئی کیا کریگا۔

اور صحیحین میں ہے روایت سہل بن سعد سے حدیث خیبر میں کہ یہ قول آپؐ کا کہ البتہ ضرور دوں گا یہ جھنڈا صبح اُس آدمی کو جس کے ہاتھوں اللہ فتح دے گا جسے محبوب رکھتا ہے اللہ اور رسول اُس کا اور وہ محبت رکھتا ہے اللہ و رسولؐ کے ساتھ پس دیا وہ جھنڈا علیؓ کو پس ثابت ہوا نبی علیہ السلام فرمارہے ہیں ساتھ لام اور نون تاکیدی کے ساتھ پس تحقیق اُن کو علم تھا۔

قول غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وقد ذکر شاہ عبد العزیز محدث الدہلوی فی تفسیر فتح العزیز والاطلاع علی اللوح المحفوظ بمطالعۃ النقوش ایضاً منقول عن بعض الاولیاء اللہ تعالیٰ۔ کما قال سیدنا غوث اعظم عینی فی اللوح المحفوظ قال الامام القسطلانی فی ارشاد الساری شرح بخاری ولا یعلم متی تقوم الساعۃ احد الا اللہ والا من ارتضی من رسول فانہ یطلعہ علی ما یشاء من غیبہ والولی تابع لہ یاخذ عنہ۔

وقال العلامۃ حسن بن المدابغی فی حاشیۃ فتح المبین و فی شروح الاربعین للنووی، جمع اللہ تعالیٰ لم یقبض روح نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام حتی اطلعہ علی کل ما ابہم عنہ الا انہ امر بکتم بعض والاعلام ببعض۔ انتہیٰ۔

وقال ابراہیم بیجوری[1] فی شرح قصیدۃ البردۃ۔ انہ لم یخرج النبی علیہ السلام من الدنیا الا بعد ان علمہ اللہ تعالیٰ بہذہ الامور (اعنی الخمس)

---

(١) ابراهيم الباجوري المصري الشافعي توفي سنة ١٢٧٦ هـ. [١٨٥٩ م.]

ارشاد غوث اعظم کا

اور تحقیق ذکر کیا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے تفسیر فتح العزیز میں کہ اطلاع لوحِ محفوظ پر بمطالعہ نقوش کے اسی طرح منقول ہے بعض اولیاء اللہ تعالیٰ سے جیسا کہ فرمایا سیدنا غوث اعظمؓ نے میری آنکھیں لوح محفوظ پر ہیں امام قسطلانی نے بخاری کی شرح ارشاد الساری میں اور نہیں جانتا کوئی کہ کب قیامت قائم ہوگی سوائے اللہ کے مگر جس رسول پر اللہ راضی ہو جائے پس وہ مطلع کرتا ہے اُسے جس پر چاہے غیب سے اور ولی تابع ہے نبی کو اُس سے لیتا ہے۔

اور کہا علامہ حسن بن مدابغی نے حاشیہ فتح المبین اور شرح اربعین نووی میں اجماع ہے اس پر کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کی روح قبض نہیں کی حتیٰ کہ مطلع کیا آپؐ کو تمام پر اُس سے مگر کہ آپؐ مامور ہیں پوشیدہ کرنے پر اُسے بعض پر اور بتانے بعض پر

اور کہا ابراہیم بیجوریؒ نے شرح قصیدہ بردہ میں کہ نبی علیہ السلام نہیں گئے دُنیا سے مگر بعد کہ علم دیا آپ کو اُمور خمسہ کا۔

شفاعة النبي عليه السلام للمؤمنين

ثبت بنص قطعي لا ريب فيه لقوله تعالى : يومئذ لا تنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمن ورضي له قولا

سوره طٰه ـ

وفي هذه عقيدة الوهابية ايضا فيه ليس احد بشافع من النبي والولي ومن اعتقد انهما شفيع هو مشرك كابوجهل تقوية[1] الايمان ص

ثم تلونا قوله تعالى ولا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له سوره سبأ وقوله تعالى ما من شفيع الا من بعد اذنه

سوره يونس ـ

واما السنة فما روى عن عثمان يشفع يوم القيمة ثلاثة الانبياء ثم العلماء ثم الشهداء ـ جامع صغير ص ٢٠٧ / ٢ ـ ج

شفاعتي لاهل الكبائر من امتي مشكوٰة ص ٤٩٤

شفاعتي لاهل الذنوب من امتي جامع صغير ص ٣٣ / ٢ ـ ج

فثبت ان الانبياء والاولياء شفيع للمذنبين يوم القيمة ومن انكر من الشفاعة كالوهابية فالنبي ع لا يشفع له والوهابية حرم عليهم الشفاعة لما في فتح الباري من كذب بالشفاعة فلا نصيب له فيها

فتح الباري ص ١٩٠ پ ٢٧ رقم

---

(١) مؤلف تقوية الايمان اسماعيل الدهلوي الوهابي توفي سنة ١٢٤٦ هـ. [١٨٣١ م.]

شافع ہونا نبی علیہ السلام کا مومنوں کیلئے۔

شفاعت نصِ قطعی سے ثابت ہے اسمیں کوئی شک نہیں واسطے قول رب تعالیٰ کے اُس دن نفع نہ دی گی شفاعت مگر کہ جسے اِذن دے رب تعالیٰ اور راضی ہو اس پر

اور اس جگہ میں وہابیہ کا عقیدہ ہے کہ کوئی نبی ولی شفاعت نہیں کر سکتا اور جس نے اُن کو شفیع اعتقاد کیا وہ ابوجہل جیسا مشرک ہے

پھر ہم کہتے ہیں کہ فرمان رب تعالیٰ کا اور اسکے نزدیک شفاعت نفع نہیں دیتی مگر جسے حکم دے اور یہ قول رب تعالیٰ کا کوئی شفیع نہیں مگر اُس کے حکم کے بعد

اور حدیث میں جو روایت ہے عثمانؓ سے شفاعت کرینگے قیامت کے دن تین انبیاء علماء شہداء۔

میری شفاعت بڑے گنہگاران اُمت کیلئے۔

وقال الامام الاعظم[1] شفاعة الانبياء حق و شفاعة نبینا علیه الصلوٰة والسلام للمؤمنین المذنبین ولاهل الکبائر منهم المستوجبین للعقاب حق ثابت شرح عقائد ص ۸۷ وفقه اکبر ص ۳

ما انکار شفاعت بدعت وضلالت است چنانکه خوارج وبعض معتزله بران رفتند- اشعة اللمعات شرح مشکوٰة جلد الرابع ص ۴۰۸

وشفاعت الاولیاء ایضا ثابت باحادیث کثیرة فمن الاول- عن ابن عباس قال النبی علیه الصلوٰة والسلام سیکون فی امتی رجل یقال له ادیس بن عبدالله القرنی وان شفاعته فی امتی مثل ربیعة ومضر جامع الصغیر ص ۳۰ ج ۲-

فان قلت الولی لیس بشافع یوم القیمة

قلنا

الولی تابع للنبی فکیف شفاعة الاولیاء لا ینتفع للمذنبین لما ذکرنا- والولی کان عالما- ان کان الولی لیس بعالم فهو لیس بولی-

ونعتقد ان شفاعة بنینا صلی الله علیه وسلم وجمیع الانبیاء والصالحین حق ولکن بعد اذن الله للشافع-

قواعد الارلجة ص ۱۴ مطبوعه بیروت

---

(۱) امام اعظم نعمان بن ثابت کوفی ولد سنة ۸۰ و توفی سنة ۱۵۰ هـ. [۷۶۷ م.] فی بغداد

پس ثابت ہوا کہ انبیاء و اولیاء شافع ہونگے مؤمنین کیلئے قیامت کے دن۔ اور جسنے انکار کیا شفاعت سے جیسے وہابیہ کے پس نبی علیہ السلام اُس کیلئے شفاعت نہیں کرینگے۔ اور وہابیہ پر شفاعت حرام ہے جیسا کہ فتح الباری میں ہے جس نے شفاعت کو جھٹلایا اُس کیلئے اُس میں کوئی حصہ نہیں۔

اور کہا امام اعظمؒ نے شفاعت انبیا کی حق ہے اور شفاعت نبی علیہ السلام کی مؤمن گنہگاروں کیلئے اور بڑوں کیلئے جو مستوجب ہیں عذاب کے حق ہے ثابت ہے۔

اور انکار شفاعت بدعت و گمراہی ہے جیسا کہ خوارج و معتزلہ کا عقیدہ ہے۔

اور شفاعت اولیاء اللہ کی بھی احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ روایت ہے ابن عباس سے کہ فرمایا نبی علیہ السلام نے عنقریب میری اُمت میں ایک اویس بن عبد اللہ قرنی نامی شخص ہوگا۔

اور اُسکی شفاعت میری اُمت میں مثل ربیعہ و مضر کی ہوگی۔
اگر تو کہے کہ ولی دن قیامت کے شفیع نہیں ہوسکتا

قلنا

ولی تابع ہوتا ہے نبی کے پس کیونکر اولیاء کی شفاعت گنہگار مؤمنین کو نہ ہوگی جیسے ہم نے ذکر کیا ہے اور ولی ہوتا ہے عالم۔ اگر وہ عالم نہ ہو تو وہ ولی ہی نہیں۔

اور ہمارا عقیدہ ہے کہ شفاعت نبی علیہ السلام کی اور تمام انبیاء کی حق ہے۔ ولیکن اللہ کے اذن کے بعد۔

ایصال الثواب للاموات

ھی ثابت بدلیل قطعی وقد تواترت بہ الاخبار ان کان۔ بالدعاء والمال

قولہ تعالیٰ وصل علیھم ان صلوٰتک سکن لھم التوبہ پ ۱۱

واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات سورہ محمد پ ۲۶

والملٰئکۃ یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون لمن فی الارض شوریٰ پ ۲۵

واما السنۃ فما روی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن جابر قال شھدت مع رسول اللّٰہ الاضحیٰ فی المصلیٰ فلما قضی خطبتہ نزل من منبرہ واتی بکبش فذبحہ رسول اللّٰہ بیدیہ وقال بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر ھٰذا عنی وعمن لم یضح من امتی رواہ ابوداود باالعیدین

عن ابی ھریرۃ اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلث صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعوا لہ جامع الصغیر ص ۲۹ ج ۱

وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتھم عنھم نفع لھم خلافاً للمعتزلۃ شرح عقائد نسفی[۱] ص ۱۲۲ الطحطاوی ص ۲۴۱ شرح القاری للفقہ اکبر ص ۱۵۶ وفتح القدیر[۲] المجلد الاول ص ۴۰۴ ۔

---

(۱) شارح العقائد النسفي سعد الدين مسعود التفتازاني توفي سنة ۷۹۲ هـ. [۱۳۸۹ م.] في سمرقند

(۲) مؤلف فتح القدير كمال الدين محمد ابن همام توفي سنة ۸۶۱ هـ. [۱۴۵۶ م.]

مُردوں کیلئے ایصال ثواب

یہ ثابت ہے دلیل قطعی سے اور اس پر احادیث بھی دلالت کرتی ہیں اگرچہ ہو
ساتھ مال کے اور دعا کے۔

یہ قول رب تعالیٰ کا اور دعا بھیجو ان پر تحقیق آپؐ کی دعا اُن کیلئے تسکین ہے۔
اور بخشش مانگیں آپ گنہگار مومنوں اور مومنات کیلئے
اور ملائکہ تسبیح کرتے ہیں ساتھ حمد اپنی رب کے اور زمین والوں کیلئے بخشش مانگتے ہیں۔
اور حدیث جو ہے نبی علیہ السلام کی روایت ہے جابر سے کہا کہ حاضر تھے ہم ساتھ
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عید الضحیٰ میں عیدگاہ میں جب آپؐ خطبہ پڑھکر فارغ
ہوئے اُترے منبر سے لایا گیا ایک گوسفند پس ذبح کیا اُسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
اور کہا بسم اللہ اللہ اکبر۔ یہ میری قربانی اور جو میری اُمت سے نہیں کر سکتا اُسکی طرف
سے ہے۔

روایت ہے ابوھریرۃؓ سے جب وقت فوت ہو انسان منقطع ہوتے ہیں عمل اُسکے سوائے تین کے
صدقہ جاریہ۔ اور علم کہ نفع حاصل کرے اُس سے یا بچہ صالح کہ دعا کرے اس کیلئے۔
اور دعا کرنا زندوں کا اور صدقہ دینا مردوں کیلئے نفع ہے اُن کے لئے خلاف ثابت
ہے معتزلہ کیلئے۔

اور شرح بخاری میں ہے کہ صدقہ نافلہ مٹانے والا ہے بہت گناہوں کو جو داخل کرتے ہیں
دوزخ میں۔
آزاد کیا اگر غلام تو ثواب میت کو ہوگا اور اسی طرح صدقات اور دعوات مال

وفي شرح البخاري القسطلاني. الصدقة النافلة ماحية لكثير من الذنوب المدخلة النار كتاب العلم صفحة ۱۹۰ ج ۱ فتح القدير صفحة ۴۰۲ ج ۱
اعتق عبده عن ابيه فالاجر للميت ان شاء الله تعالى وكذا الصدقات والدعوات لابويه وكل مؤمن يكون الاجر لهم من غير ان ينقص من اجر الا بن شيء على الصحيح من مذهب جمهور العلماء. درمختار. شامي صفحة ۷۹ ج ۵

ويستحب ان يتصدق على الميت بعد الدفن الى سبعة ايام كل يوم بشيء مما تيسر طحطاوي كتاب الجنايز صفحة ۳۶۳ اشعة اللمعات[1] صفحة ۷۳۴ برهان ج ۱ صفحة ۳۶۳ شامي جنائز صفحة ۶۳۰ ج ۱ فتح القدير صفحة ۳۶۵ كبيري صفحة ۶۵۸

الضيافة ممنوع عند اهل الميت

وقال بعض الجهال من الوهابية ان الطعام مكروه عند اهل الميت الى ثلثة ايام؟ قلنا

صرح الفقهاء ان الطعام مكروه عند اهل الميت هو الضيافة كما في خلاصة الفتاوى. لا يباح اتخاذ الضيافة عند ثلاثة ايام خلاصة الفتاوى جلد ثاني صفحة ۵۳۶ تتارخانية والهندية جلد اول صفحة ۲۳۵

---

(۱) مؤلف أشعة اللمعات شرح المشكوة الفارسي عبد الحق الدهلوي توفي سنة ۱۰۵۲ هـ. [۱۶۴۲ م.] في دلهي

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من اھل المیت - فتح القدیر جلد اول صـ۳۰۲ و
کبیری الجنائز صـ۶۵۷ و شامی صـ۶۰۳ جنایز

وبعض الجہال من الوہابیۃ والنیچیریۃ ان اتخاذ الطعام فی اھل المیت منع مطلقا بدلیلھم وھو الحدیث روی عن جریر بن عبد اللہ قال کنا نعد وفی روایۃ نری الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ رواہ احمد وکبیری صـ۶۵۷

قلنا

ان الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ صرح ان ھذا الحدیث فی حق الضیافۃ قط - ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من أھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الحزن وقالوا ھی بدعۃ مستقبحۃ لما روی امام احمد عن جریر بن عبد اللہ الحدیث - کبیری صـ۶۵۷ و شامی جلد اول صـ۶۰۳

فثبت جواز ایصال الثواب فیا یہا الوہابیۃ کلوا باسم اللہ لان ایصال الثواب سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم -

عامر القادری غلام از غلامان مصطفیٰ و عبد المصطفیٰ ۱۰ ستمبر ۱۹۷۶ء = ۱۳۹۶ھ
دار العلوم قادریہ سبحانیہ ڈرگ کالونی ۵ کراچی ۲۵ پاکستان

فہرس العقائد الصحیحۃ

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله وكفى والصلوة والسلام
على نبيّه ورسوله المصطفى وعلى
آله واصحٰبه البررة التقى
اما بعد فيقول العبد الضعيف
محمّد حسن جان الفاروقى الحنفى[1]
انى رأيت فى هذا الزمان اختلافا
كثيرا بين الحنفية والوهابيّة
فى العقائد حتى فى الالٰهيّات و
الرّسالة ومسائل الشريعة
المتعلقة بالعقائد وانجر اختلافهم
الى تكفير البعض بعضا وافترقت
الامة افتراقا فاحشا فاردت
اظهار عقائد أهل السنّة
والجماعة فى جزء مراعيا للاختصار
مجتنبا عن ذكر اقاويلهم الّا
بقدر الضرورة راجيا حفظ
عقائد المسلمين من الزيغ والزلل
لعل الله ينفع به عباده
فانه على ما يشاء
قدير وبالاجابة
جدير - وليعلم انّى ما
استدل فى هذه الرسالة
بالاحاديث الشريفة و

الحمد لله وکفیٰ - والسلام علی نبیّہ
ورسولہ المصطفیٰ وعلی آلہ
واصحابہ البررۃ اھل التقی۔
حمد و صلوٰۃ کے بعد عبد ضعیف محمد حسن فاروقی
حنفی گذارش کرتا ہے کہ عہد حاضر میں وہابیہ
اور حنفیہ کے درمیان کمال اختلاف پڑا ہوا
ہے عام عقائد میں حتیٰ کہ الٰہیات میں اور مفہوم
رسالت میں اور ان مسائل شرعیہ میں بھی اختلاف
ہے جو عقائد سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ اختلاف
اب ایک دوسرے کی تکفیر تک پہنچ چکا ہے
جس کی وجہ سے امت محمدیہ میں ناگفتہ بہ
تشتت و افتراق پڑ گیا ہے اس لئے میں نے یہ
ارادہ کر لیا ہے کہ اس مختصر سی کتاب میں
اہل السنّت والجماعۃ کے عقائد مختصر طور پر
بیان کروں ۔ اور حتی الوسع مخالفین کے اقوال
نقل کرنے سے کنارہ کش رہوں مگر بقدر
ضرورت نقل بھی کروں گا اور خدا سے امید کرتا
ہوں کہ وہ مسلمانوں کو کجروی اور اغلاط سے محفوظ
رکھ کر اس کتاب کی طفیل سے ان کو فائدہ بخشیگا
آئندہ خدا مالک ہے جو چاہے کرے اسی کی
بارگاہ عالی میں میری درخواست منظور ہوسکتی
ہے۔ واضح رہے کہ میں اس رسالہ میں عموماً نہ
احادیث شریفہ سے دلیل پیش کروں گا نہ

١) المتوفى سنة ١٣٤٩ هـ. [١٩٣١ م.]

اقوال الائمة والعلماء الا قليلا
توقيا لساحتهم السنية عن
شر السنتهم الشنيعة فانهم
ان لم يوافق حديث بمعتقداتهم
قالوا هذا ضعيف او موضوع
وان استدل بذلك الحديث
اكابر الامة كالغزالي والسيوطي
وامام الحرمين[1] والشيخ
عبد الحق الدهلوي
والشيخ علي القاري وامثالهم
في كتبهم وان لم يوافق رأيهم
قول الائمة واكابر الدين تعرضوا
لقدحهم وسبهم فالى الله المشتكى
فاستعملت غالبا في ترديد
اباطيلهم بالآيات القرآنية
التي لا يأتيه الباطل من بين
يديه ولا من خلفه تنزيل من
حكيم حميد ومع ذلك راعي
الانصاف في محل الاختلاف وما
اصر على باطل وسميت الرسالة
(بالعقائد الصحيحة) واقدم ما ذكره العقائد الصحيحة
الامام حجة الاسلام محمد الغزالي
رحمه ربه في باب التوحيد
والالهيات والرسالة

اقوال ائمہ سے اور نہ اقوال علمائے اسلام سے
مگر بقدر ضرورت پیش کرتا جاؤں گا۔ تاکہ ان کی
قابلِ قدر قیاسات شرعیہ مخالفین کی بدزبانیوں
سے محفوظ رہیں کیوں کہ ان کی عادت
ہے کہ کوئی حدیث جب ان کے خیال کے
مطابق نہ ہو تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ وہ ضعیف
ہے یا موضوع ہے اگرچہ اکابر اسلام
نے اس حدیث کو استدلال کے موقعہ پر
پیش کیا ہو، چنانچہ جناب امام غزالی امام سیوطی شیخ
عبد الحق محدث دہلوی اور محدث ملا علی قاری
وغیرہم ایسے استدلال پیش کر چکے ہیں
اور مخالفین حسب عادت ائمہ دین اور اکابرِ
اسلام کے ایسے استدلات جب دیکھتے ہیں تو
ان کے حق میں گستاخی کرنا شروع کر دیتے ہیں
خدا ہی ان کو سنبھالے۔ اس لئے میں عموماً اس
موقعہ پر قرآنی آیات ہی پیش کروں گا جس کی
مخالفت اِدھر اُدھر سے نہیں ہو سکتی کیونکہ
وہ خدائے حکیم و حمید کا کلام ہے۔ علاوہ ازیں
موضع اختلاف میں انصاف سے فیصلہ کروں گا
اور قولِ باطل پر قدم نہ جماؤں گا۔ اس کے بعد
اس رسالہ کا نام میں نے اَلعَقَائِدُ الصَّحِیحَۃ
رکھا ہے۔ اب سب سے پہلے میں وہ مضمون
لفظ بہ لفظ پیش کرتا ہوں، جو حضرت امام حجۃ الاسلام
محمد الغزالی رحمہ اللہ نے توحید اور الٰہیات اور منصب

(١) امام الحرمين عبد الملك النيشابوري الشافعي توفي سنة ٤٧٨ هـ. [١٠٨٥ م.]

بلفظه من كتابه قواعد العقائد
فانه في غاية الجودة فقال رحمة
الله عليه الحمد لله
المبدء المعيد الفعال لما
يريد ذي العرش المجيد
والبطش الشديد الهادي صفوة
العبيد الى المنهج الرشيد و
المسلك السديد المنعم عليهم
بعد شهادة التوحيد بحراسة
عقائدهم من ظلمات التشكيك
والترديد المسالك بهم الى
اتباع رسوله المصطفى صلى الله
عليه وسلم واقتفاء اثار
الصحابة الاكرمين المكرمين
بالتائيد والتسديد المتجلي
لهم في ذاته وافعاله
بمحاسن اوصافه التي
لا يدركها الا من القى السمع
وهو شهيد المعرف
اياهم انه في ذاته واحد — الصفات الذاتية
قديم لا اول له ازلي
لا بداية له مستمر الوجود
لا اخر له ابدي لا نهاية
له قيوم لا انقطاع له

رسالت کے متعلق اپنی کتاب قواعد العقائد
میں بیان کیا ہے کیوں کہ وہ مضمون اس مقام
کے لئے بہت ہی موزوں ہے۔ آپ لکھتے
ہیں کہ الحمد للہ المبدئ المعید
الفعال لما یرید ذی العرش المجید
والبطش الشدید الہادی صفوۃ
العبید الی المنہج الرشید۔ و
المسلک السدید۔ المنعم علیہم
بعد شہادۃ التوحید بحراسۃ
عقائدہم من ظلمات التشکیک
والتردید۔ خدا تعالے نے اپنے برگزیدہ
بندوں کو جناب رسالت مآب حضرت محمد مصطفے
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کے لئے
انتخاب کر لیا ہوا ہے اور آپ کے صحابہ کرام
رضوان اللہ علیہم کے نقش قدم پر چلنے
کے لئے چن لیا ہے اپنی تائید اور توفیق سے
خدائے تعالے اپنی ذات اور اپنے افعال میں
اپنے اوصاف حسنہ کے ذریعہ سے جلوہ گر ہے
مگر ان صفات کو وہی دریافت کر سکتا ہے جو
غور سے سنے اور خدا کو حاضر و ناظر سمجھے۔ اس
نے یہ بھی ہم کو بتا دیا ہے کہ وہ اپنی ذات میں یگانہ ہے
ایسا قدیم ہے جس کی ابتدا نہیں۔ ہمیشہ موجود ہے
جس کی آخری حد نہیں۔ ازل و ابد میں موجود ہے
جس کی انتہا نہیں مستقل بالذات ہے کسی قسم

دائم لا انصرام له لم يزل
ولا يزال موصوفا بنعوت
الجلال لا يقضى عليه بالانقضاء
والانفصال بتقدم الاباد
وانقراض الاجال بل هو
الاول والآخر والظاهر
والباطن وهو بكل
شيء عليم۔

(**التنزيه**) وانه ليس بجسم
مصور ولا جوهر محدود
ومقدر وانه لا يماثل
الاجسام فى التقدير ولا فى قبول
الانقسام وانه ليس بجوهر
ولا تحله الجواهر ولا بعرض
ولا تحله الاعراض بل لا
يماثل موجودا ولا يماثله
موجود ليس كمثله شيء ولا
هو مثل شيء وانه لا يحده
المقدار ولا تحويه الاقطار
ولا يحيط به الجهات ولا تكتنفه
الارضون ولا السموات وانه
مستو على العرش
على الوجه
الذى قاله

کی کسر اس کی ذات میں باقی نہیں، دائم
وقائم ہے، جس کا خاتمہ نہیں۔ صفاتِ جلالیہ
کے ساتھ ازلی وابدی موجود ہے۔ اس کے
متعلق یہ کبھی فیصلہ نہیں دیا جاسکتا کہ
اس کی دائمی زندگی کے اوقات ختم ہوچکے
ہیں یا اس کی مدتِ حیات گذر چکی ہے
وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے
وہی باطن ہے اور وہی ہر چیز کو ہمیشہ سے
جانتا بھی ہے (تقدیسِ الٰہی یوں ہے کہ)
خدا کسی جسم اور صورت میں نہیں نہ محدود
چیز ہے جس کا تخمینہ لگایا جائے۔ کسی جسم کی
مثل بھی نہیں کہ اس میں قیاس لگایا جائے
یا اس کی تقسیم ہو سکے۔ نہ وہ ٹھوس مخلوق ہے
نہ غیر مستقل چیز ہے جو دوسرے کے آسرے
سے پائی جائے۔ نہ وہ صفاتی چیز ہے نہ صفاتی
ناپائدار چیزوں کا مرکز ہے۔ وہ کسی ہستی کی
مثل نہیں۔ نہ کوئی ہستی اس کی مثل ہے
بلکہ اس کی مثال کی بھی مثال نہیں نہ
اس کی مثال کسی چیز کی مثل ہے۔ کوئی مقدار
اس کو محدود نہیں کرتی۔ نہ اطراف اس کو
اپنے اندر سمیٹ سکتے ہیں۔ کوئی جہت اسے
اپنے احاطہ میں نہیں لاسکتی۔ زمین و آسمان
بھی اسے نہیں سنبھال سکتے۔ وہ اپنے عرش
پر قائم ہے مگر اسی طرح جو اس نے خود کہا ہے،

وبالمعنى الذي اراده استواءً منزهًا عن المماسة والاستقرار والتمكن والحلول والانتقال لا يحمله العرش بل العرش وحملته محمولون بلطف قدرته ومقهورون في قبضته وهو فوق العرش والسماء وفوق كل شيء الى تخوم الثرى فوقيةً لا تزيده قربًا الى العرش والسماء كما لا تزيده بعدا عن الارض والثرى بل هو رفيع الدرجات عن العرش والسماء كما انه رفيع الدرجات عن الارض والثرى وهو مع ذلك قريبٌ من كل موجود وهو اقرب الى العبد من حبل الوريد وهو على كل شيءٍ شهيد ولا يماثل قربه قرب الاجسام كما لا يماثل ذاته ذات الاجسام وانه لا يحل في شيءٍ ولا يحل فيه شيءٌ تعالى عن ان

اور اسی کیفیت سے جو اس کے اپنے ارادہ میں ہے اس کا وہ قیام اتصال اور چھونے سے بالاتر ہے۔ اور اندراج اور جذب سے الگ ہے۔ اس میں انتقال بھی نہیں۔ عرش اُسے اٹھائے ہوئے بھی نہیں بلکہ وہ خود اپنے عرش کو اور اس کے اٹھانے والے فرشتوں کو اپنے دستِ قدرت سے اٹھائے ہوئے ہے اور اس کے قبضہ میں مغلوب ہیں۔ وہ عرش پر ہے اور آسمان پر بھی بلکہ تحت الثرٰی تک ہر چیز پر فائق ہے۔ یہ فوقیت نہ اسے آسمان اور عرش کے قریب کرتی ہے اور نہ زمین اور تحت الثرٰی سے دُور لے جاتی ہے۔ وہ عرش و آسمان سے بالاتر مرتبہ رکھتا ہے جس طرح کہ زمین اور تحت الثرٰی سے بالاتر ہے، تاہم وہ ہر چیز کے قریب ہے اور شہ رگ سے زیادہ اپنے بندہ کے قریب ہے اور ہر چیز کا نگران حال بھی ہے کیوں کہ وہ اس طرح قریب نہیں جس طرح کہ جسم قریب ہوتے ہیں اور اسی طرح اس کی حقیقت کسی جسمانی حقیقت سے نہیں ملتی۔ نہ وہ کسی میں حل اور تبدیل ہوتا ہے اور نہ کوئی چیز اس میں حل اور تبدیل ہوسکتی ہے۔ وہ اس امر

يحويه مكان كما تقدس
عن ان يحده زمان بل كان
قبل ان خلق الزمان والمكان
وهو الآن على ما عليه
كان وانه بائن من خلقه
بصفاته ليس في ذاته
سواه ولا في سواه ذاته
وانه مقدس عن التغير
والانتقال لا تحله الحوادث
ولا تعتريه العوارض بل
لايزال في نعوت جلاله
منزها عن الزوال وفي
صفات كماله مستغنيا
عن زيادة الاستكمال و
انه في ذاته معلوم الوجود
بالعقول مرئي الذات
بالابصار نعمة منه ولطفا
بالابرار في دار القرار واتماما
للنعيم بالنظر الى وجهه الكريم
الحيوة والقدرة وانه تعالى
حيٌّ قادرٌ جبارٌ قاهرٌ لا
يعتريه قصور ولا
عجز ولا تاخذه
سنة ولا نوم

سے بھی بالاتر ہے کہ کوئی مکان اسے اپنے
اندر سمیٹ لے جس طرح کہ اس امر سے بھی
بالاتر ہے کہ کوئی زمانہ اسے محدود کرے
بلکہ وہ خود زمانہ اور مکان پیدا کرنے سے
پہلے موجود تھا۔ اور اب بھی اسی طرح موجود
ہے، جیسا کہ پہلے تھا۔ وہ اپنے صفات
میں اپنی مخلوق سے نرالا ہے۔ اس کی ذات
میں اس کا غیر موجود نہیں نہ غیر میں وہ موجود
ہے۔ وہ تغیّر و تبدّل سے پاک ہے نہ حوادث
اس میں جاگزین ہیں اور نہ صفاتی ناپائدار
حالات اس میں موجود ہیں بلکہ وہ اپنے
جلال میں موجود ہے اور زوال سے پاک
ہے۔ وہ اپنے صفاتِ کاملہ میں موجود ہے
کسی اور تکمیل کی اسے ضرورت نہیں صرف
عقل سے اس کا وجود معلوم ہو سکتا ہے
اس کی ذات بھی آنکھ سے دیکھی جا سکتی
ہے، جب کہ دوسری دنیا میں اپنے نیک
بندوں پر فضل و کرم کی نگاہ کرے گا اور
اپنے مبارک چہرہ کے دیدار سے ان کی
تکمیل نعمت کرے گا۔ (خدا کی زندگی اور طاقت
کا بیان یہ ہے کہ) وہ زندہ، طاقتور، صاحب
قدرت، ہر چیز پر غالب، ہر شکستہ دل کا
سہارا ہے۔ اس میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں
اور نہ عاجزی۔ نہ اسے نیند آتی ہے نہ اونگھ۔

ولا یعارضه فناءٌ ولاموتٌ
وانّه ذوالملك والملكوت
والعزّة والجبروت له
السلطان والقهر والخلق
والامر والسّموات مطویّات
بیمینه والخلائق مقهورون
فی قبضته وانّه المنفرد
بالخلق والاختراع
المتوحّد بالایجاد و
الابداع خلق الخلق
واعمالهم وقدّر ارزاقهم
وآجالهم لایشذّ عن
قدرته مقدورٌ ولا
یعزب عن قدرته
تصاریف الامور لا
تحصیٰ مقدوراته ولا
تتناهیٰ معلوماته العلم
وانّه عالم بجمیع
المعلومات محیط
علمه بما یجری
فی تخوم الارضین
الیٰ اعلی السّموات
وانّه عالم لایعزب
عن علمه مثقال

اور نہ اسے فنا اور موت سے پالا پڑا ہے۔
وہ حکومت اور بندوبست کا مالک ہے
عزّت اور غلبہ کا بھی مالک ہے۔ مخلوق
پر تسلّط اور غلبہ اُسی کا ہے۔ وہی نسل
سے پیدا کرتا ہے اور وہی کُنْ کہنے سے
پیدا کرتا ہے۔ تمام آسمان اس کے
دستِ قدرت کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے
ہوئے ہیں۔ تمام مخلوقات اس کے قبضہ
میں مغلوب ہے۔ صرف وہی مادّہ اور مادہ
کے بغیر پیدا کر سکتا ہے۔ اپنی ایجاد و
اختراع میں یکتا ہے۔ اس نے ہی اپنی
مخلوقات کو اور اس کے اعمال کو پیدا
کیا ہے۔ اسی لئے اس کی روزی اور
موت کا صحیح انداز لگایا ہے۔ کوئی مخلوق
اس کی قدرت سے خارج نہیں ساری
کائنات کے تصرّفات بھی اس کی
قدرت سے باہر نہیں۔ اسکی قدرتوں
کا اندازہ نہیں لگایا جاتا۔ اور نہ ہی اس
کے معلومات کی کوئی انتہا ہے (خدا
کے علم کا بیان یوں ہے کہ) وہ تمام
اشیاء کا عالم ہے۔ اس کا علم تمام ان
چیزوں پر حاوی ہے، جو زمین کے
کناروں سے لے کر اوپر کے آسمانوں
تک جاری ہیں۔ ایسا عالم ہے کہ اسکے

ذرة فی الارض ولا فی السماء بل یعلم دبیب النملة السوداء علی الصخرة الصماء فی اللیلة الظلماء ویدرك حرکة الذر فی جو الهواء ویعلم السر واخفی ویطلع علی هواجس الضمائر وحرکات الخواطر وخفیات السرائر بعلم قدیم ازلی لم یزل موصوفا فی ازل الآزال لا بعلم متجدد حاصل فی ذاته بالحلول والانتقال - الارادة وانه تعالی مرید للکائنات مدبر للحادثات فلا یجری فی الملکوت قلیل او کثیر صغیر او کبیر خیر او شر نفع او ضر ایمان او کفر عرفان او نکر فوز او خسران زیادة او نقصان طاعة او عصیان الا بقضائه وقدره وحکمته ومشیئته فما شاء کان وما لم یشاء

علم سے ذرہ بھر بھی زمین و آسمان کی کوئی چیز باہر نہیں، بلکہ ٹھوس پتھر پر جب چیونٹی سخت اندھیری رات میں دبے پاؤں چلتی ہے، تو اس کی رفتار سے بھی آگاہ ہے اور جو ذرات ہوا میں اڑتے ہیں، ان کی حرکت کو بھی جانتا ہے۔ وہ راز اور راز سے پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے، دل کے خیالات اور خیالات کی حرکات بھی جانتا ہے۔ اور پوشیدہ سے پوشیدہ بھید کو بھی جانتا ہے۔ مگر اس کا یہ علم ازلی ہے، جو ہمیشہ سے ہمیشہ میں اس کی صفت ہے۔ وہ کسی نو پیدا علم سے نہیں جانتا جو کبھی اس کی ذات میں آئے اور کبھی نکل جائے۔ (اللہ تعالے کے ارادہ کا بیان یوں ہے کہ) وہ مخلوقات میں اپنا ارادہ برتتا ہے تمام نو پیدا مخلوق میں انتظام کرتا ہے جو بھی اس کی بادشاہت میں کم و بیش، خورد وکلاں، دکھ سکھ، نفع وضرر، ایمان و کفر، خدا شناسی یا انکار، کامیابی یا ناکامی، زیادتی یا نقصان، فرمانبرداری یا بے فرمانی ہوتی ہے۔ اسی کی قضا و قدر اور حکمت ومشیت سے ہوتی ہے۔ جسے چاہے، وہ موجود ہو جاتا ہے اور جسے نہ چاہے وہ موجود نہیں ہوتا

لم يكن لا يخرج عن مشيئته
لفتة ناظر او فلتة خاطر بل
هو المبدئ المعيد الفعال
لما يريد لا راد لحكمه ولا معقب
لقضائه ولا مهرب لعبد من
معصيته الا بتوفيقه ورحمته
ولا قوة على طاعته الا بمشيئته
وارادته فلو اجتمع الانس والجن
والملئكة والشياطين على ان
يحركوا في العالم ذرة او يسكنوها
دون ارادته ومشيئته لعجزوا
عن ذلك وان ارادته
قائمة بذاته في جملة صفاته
لم يزل كذلك موصوفا بها
مريدا في ازله لوجود الاشياء
في اوقاتها التي قدرها
فوجدت في اوقاتها كما
اراده في ازله من غير تقدم
ولا تاخر بل وقعت على
وفق علمه وارادته من غير
تبديل ولا تغيير دبر الامور
لا بترتيب افكار ولا تربص
زمان فلذلك لم يشغله شأن
الصفات الثبوتية عن شأن۔ السمع۔ والبصر۔ وانه

اسکی مرضی سے آنکھ کی ایک نگاہ بھی باہر نہیں
اور دل کا کوئی خیال بھی باہر نہیں، بلکہ وہی
نو پیدا کرنے والا اور دوبارہ پیدا کرنے والا ہے
جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہی کرتا ہے۔ کوئی
اس کے حکم کو روکنے والا نہیں۔ نہ ہی اسکے
فیصلہ پر کوئی نکتہ چین ہے۔ انسان کو کسی برائی
سے رکنے میں اسکی توفیق اور رحمت کے بغیر چارہ نہیں
اور فرمانبرداری میں اسکے ارادہ اور مشیت کے سوا
مجال نہیں۔ اگر تمام انسان جن، فرشتے اور شیطان
بھی جمع ہوکر سلسلہ کائنات میں ایک ذرہ کو بھی
حرکت دیں یا اسکے ارادہ کے بغیر اسے ساکن کرنا
چاہیں تو اس سے عاجز ہو جائینگے۔ خدا کا ارادہ
اسکی اپنی ذات میں باقی صفات کیطرح قائم ہے۔
وہ بدستور اس سے موصوف رہا ہے۔ زمانہ ازل
میں اس نے ارادہ کیا کہ سلسلہ مخلوقات اپنے اپنے وقت
پر پیدا ہو جو اس نے تجویز کیا تھا، چنانچہ جسطرح
اس نے زمانہ ازل میں کسی تقدم و تاخر کے بغیر چاہا تھا
اسی طرح کائنات معرض ظہور میں آگئی بلکہ اسکے علم
کے اور اس کے ارادہ کے مطابق بغیر کسی تغیر و
تبدل کے موجود ہوگئی۔ نہ اسے کسی تجویز کے سوچنے کی
ضرورت پڑی نہ اسے کسی وصیت کا انتظار تھا۔
یہی وجہ ہے کہ اسے ایک مصروفیت دوسری
مصروفیتوں سے غافل نہیں کرتی۔ (خدا
کی قوت شنوائی اور بینائی کی حقیقت یہ ہے کہ)

تعالیٰ سمیع بصیر یسمع ویری
لا یعزب عن سمعه مسموع وان
خفی ولا یغیب عن رؤیته
مرئی وان دق ولا یحجب سمعه
بُعدٌ ولا یدفع رؤیته ظلامٌ
یری من غیر حدقة واجفان
ویسمع من غیر اصمخة واذان
کما یعلم بغیر قلب ویبطش
بغیر جارحة ویخلق بغیر آلة
اذ لا تشبه صفاته صفات الخلق
کما لا تشبه ذاته ذوات الخلق۔
الکلام۔ واللہ تعالیٰ متکلم امرٌ ناهٍ
واعد متوعدٌ بکلام ازلی قدیمٍ
قائم بذاته لا یشبه کلام الخلق
فلیس بصوت یحدث من
انسلال الهواء او اصطکاک
اجرام ولا بحرف ینقطع باطباق
الكتب المنزلة
شفة او تحریک لسان وان القرآن
والتوراة والانجیل والزبور کتبه
المنزلة علی رسله علیهم السلام
وان القرآن مقروٌ بالالسنة
مکتوب فی المصاحف محفوظ
فی القلوب وانه مع ذلك قدیم
قائم بذات الله تعالیٰ لا یقبل

وہ خدا سُنتا ہے اور دیکھتا ہے۔ اسکی شنوائی
سے کوئی بات باہر نہیں۔ اگرچہ وہ کتنی ہی
مخفی ہو اور اسکی بینائی سے کوئی چیز خارج نہیں
اگرچہ کتنی ہی باریک ہو اس کی قوت سماعت
کو کوئی دُوری مانع نہیں اور اس کی قوت بینائی
کو کوئی تاریکی نہیں روکتی۔ وہ بغیر آنکھ اور
پلک کے دیکھتا ہے اور سوراخ گوش
اور کان کے بغیر سنتا ہے۔ اسی طرح دل کے
بغیر جانتا ہے اور ہاتھ کے بغیر حملہ کرتا ہے
اور اوزار کے بغیر پیدا کر لیتا ہے۔ کیوں کہ
اس کے صفات مخلوق کی صفات جیسے
نہیں اور نہ ہی اس کی ذات مخلوق کی
ذات کی مثل ہے۔ (خدا کا کلام یوں ہے کہ)
وہ کلام کرتا ہے، حکم کرتا ہے، روکتا ہے،
خوشخبری دیتا ہے۔ عذاب کی خبر دیتا ہے مگر اسکا
کلام ازلی ابدی قدیم ہے، جو اس کی ذات میں قائم
ہے اور مخلوق کے کلام کی طرح نہیں کہ ہوا کی مداخلت
اور حرکت سے پیدا ہو یا دو چیزوں کے ٹکرانے سے
پیدا ہو جو حروف سے مرکب نہیں کہ ہونٹ کی بندش
سے ختم ہو جائے اور زبان کے چلنے سے جاری ہو۔
قرآن، توراۃ، انجیل اور زبور اسی کی کتابیں ہیں جو کہ
انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں چنانچہ قرآن اگرچہ
زبان سے پڑھا جاتا ہے یا اوراق میں لکھا جاتا ہے اور دلوں
میں محفوظ ہے تاہم وہ قدیم ہے خدا کی ذات میں قائم ہے

الانفصال والافتراق بالانتقال الى القلوب والاوراق وان موسى عليه السلام سمع كلام الله تعالى بغير صوتٍ ولا حرفٍ كما يرى الابرار ذات الله تعالى فى الآخرة من غير جوهر ولا عرض واذ كان له هذه الصفات كان حيًا عالمًا قادرًا مريدًا سميعًا بصيرًا متكلمًا بالحيوة والعلم والقدرة والارادة و السمع والبصر والكلام لا بمجرد الذات - انتهى كلام الغزالى رحمه الله تعالى قال المؤلف عفى الله عنه الصفات السبعة التى ذكرها الغزالىُ مبنيٌّ على مسلك الاشعرية[1] من المتكلمين وزاد الماتريدية[2] صفة ثامنة تسمّٰى بالتكوين قالوا لا تكفى فى وجود الخلق الارادة ولا بد فى وجود الخلق من التكوين مستدلين بقوله تعالى انما امره اذا اراد شيئًا ان يقول له كن فيكون فالارادة أمر والتكوين المشار اليه بلفظة كن امر اٰخر والمريد للامر لا يسمّٰى فاعلًا له الا اذا اخرجه من العدم الى الوجود

اوراق میں یا دلوں میں منتقل ہونے کے باوجود بھی وہ خدا کی ذات سے الگ اور منتقل نہیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کلام الٰہی سنا تھا، اس میں آواز نہ تھی اور نہ حروف تھے۔ اسی طرح نیک انسان عالم آخرت میں خدا کا دیدار پائینگے مگر وہ نہ ٹھوس ہوگا نہ عارضی چیز۔ جب خدا ایسا ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ وہ اپنے ان صفات میں حی۔ عالم قادر۔ مرید۔ سمیع۔ بصیر اور متکلم ہے اور اسمیں یہ سات صفات موجود ہیں۔ حیوۃ، علم، قدرۃ، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔ اور اسکی ذات اپنی صفات سے خالی نہیں (امام غزالی رحمۃ اللہ کا کلام یہاں پر ختم ہو چکا ہے) اب مؤلف کہتا ہے (خدا اس کے گناہ معاف کرے) کہ امام صاحب نے جو خدا کے سات اوصاف بیان کئے ہیں وہ مذہب اشعری کے مطابق ہیں۔ ورنہ مذہب ماتریدیہ میں ایک آٹھواں اور بھی خدا کا وصف ہے جسے تکوین کہتے ہیں کیونکہ مخلوقات کے پیدا کرنے میں صرف ارادہ ہی کافی نہیں کچھ تکوین کی بھی ضرورت ہے کیونکہ خدا تعالےٰ نے خود فرما دیا ہے کہ جب میں کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے کُنْ کہتا ہوں تو پھر وہ موجود ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ارادہ اور چیز ہے اور تکوین جو لفظ کُنْ سے اشارۃً سمجھی جاتی ہے اور چیز ہے۔ اسکے علاوہ صرف ارادہ کرنے والا فاعل نہیں کہلاتا سوائے اسکے کہ اسکو نیست سے ہست کر دے

(١) ابو الحسن علي الاشعرى توفى سنة ٣٣٠ هـ. [٩٤٢ م.] فى بغداد

(٢) ابو منصور محمد الماتريدى توفى سنة ٣٣٣ هـ. [٩٤٥ م.] فى سمرقند

فلفظة كن منه سبحانه وتعالى
امر باخراج ما اراده من القوة
الى الفعل ومحل بسط هذا
المبحث كتب علم الكلام كشرح
العقائد وشرح المواقف رجعنا
الى كلام حجة الاسلام فقال الافعال
وانه سبحانه وتعالى لا موجود سواه
الا وهو حادث بفعله وفائض
من عدله على احسن الوجوه واكملها
واتمها واعدلها وانه حكيم في
افعاله وعادل في اقضيته ولا يقاس
عدله بعدل العباد اذ العبد يتصور
منه الظلم بتصرفه في ملك غيره
ولا يتصور الظلم من الله تعالى
فانه لا يصادف لغيره ملكا حتى يكون
تصرفه فيه ظلما فكل ما سواه من
انس وجن وشيطان وملك وسماء
وارض وحيوان ونبات وجوهر
وعرض ومدرك ومحسوس حادث
اخترعه بقدرته بعد العدم
اختراعا وانشاءه بعد ان لم يكن
شيئا اذ كان في الازل موجودا
وحده ولم يكن معه غيره فاحدث
الخلق بعد اظهار القدرته

پس لفظ کُن خدائے تعالیٰ کا امر ہے اسکو جس کا
وہ ارادہ کرتا ہے کہ نیست سے ہست کردے۔ اس
مسئلہ کی تفصیل کا مقام علم کلام کی کتابیں ہیں مثلاً
شرح عقائد، شرح مواقف وغیرہ۔ اب ہم دوبارہ
امام غزالی رحمہ اللہ کا کلام درج کرتے ہیں۔ آپ
فرماتے ہیں کہ (افعالِ خداوندی کی حقیقت یوں
ہے کہ) جو بھی اللہ کے بغیر ہے وہ اسی کے فعل سے
پیدا ہوا ہے اور بہترین عدل کے طریق پر اور اکمل
واکمل طرز پر صورت نما ہوا ہے۔ خدا اپنے افعال
میں حکمت استعمال کرتا ہے۔ اپنے فیصلہ میں عدل کرتا
ہے۔ مگر اسکا عدل انسانی عدل کے مشابہ نہیں
کیونکہ انسان سے تو ظلم کا بھی امکان ہے جبکہ وہ
غیر کے ملکیت پر متصرف ہو اور خدا سے ظلم کا امکان بھی
نہیں کیونکہ جبکہ یہاں غیر کی ملکیت ہی نہیں تو یہ کیسے کہا
جائے گا کہ وہ غیر کی ملکیت پر تصرف کرتا ہے تاکہ اسکا
عمل ظلم قرار پائے کیوں کہ اس نے یہ تمام چیزیں خود
پیدا کی ہیں۔ انسان، جن، شیطان، فرشتے، آسمان،
زمین، حیوان، نباتات، جوہر، عرض، مدرک بالحس
اور مدرک بالعقل وغیرہ۔ چنانچہ اس نے اپنی قدرت
کاملہ سے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کو وجود عطا کیا
ہے بعد اس کے کہ وہ نیست تھیں اور وہ خدا خود
زمانہ ازل میں موجود تھا اور اس کے ساتھ کوئی
غیر موجود نہ تھا۔ پھر اس نے اپنی اظہارِ
قدرت کے لئے کائنات کو پیدا کیا

وتحقيقا لما سبق من ارادته وحق
في الازل من كلامه لا لافتقاره اليه
وحاجته والله تعالى متفضل بالخلق
والاختراع والتكليف لا عن وجوب
ومتطول بالانعام والاصلاح لا
عن لزوم له الفضل والاحسان
والنعمة والامتنان اذ كان قادرا
على ان يصب على عباده انواع
العذاب ويبتليهم بضروب
الآلام والاوصاب ولو فعل
ذلك لكان منه عدلا ولم يكن قبيحا
ولا ظلما والله يثيب عباده على
الطاعات بحكم الكرم والوعد
لا بحكم الاستحقاق واللزوم
اذ لا يجب عليه فعل ولا يتصور
منه ظلم ولا يجب لاحد عليه
حق وان حقه في الطاعات واجب
على الخلق بما يجابه على لسان انبيائه
لا بمجرد العقل ولكنه بعث الرسل
واظهر صدقهم بالمعجزات الظاهرة
فبلغوا امره ونهيه ووعده
ووعيده فوجب على الخلق
تصديقهم فيما جاؤا به معنى
الكلمة الثانية وهي رسالة الرسول

اور اس سے اپنے ارادہ کا ثبوت دیا جو اس
نے پہلے کیا ہوا تھا اور اس قول کو پورا کرنے
کے لئے جو ازل میں کہہ چکا تھا ورنہ اسکو کائنات
کی کوئی حاجت اور ضرورت نہ تھی۔ یہ اس کی
مہربانی ہے کہ اسے پیدا کیا۔ نیست سے ہست
کیا اور صاحب اختیار بنایا ورنہ یہ سب کچھ اس پر
واجب نہ تھا اور وہ ہم پر فضل کرنیوالا ہے کہ اس نے
ہم پر احسان کیا اور ہماری اصلاح کی حالانکہ یہ بھی
اس کا فرض نہ تھا پس یہ سب کچھ اسکا فضل ہے احسان
اور نعمت اور انعام ہے کیونکہ وہ ہر وقت قادر ہے
کہ اپنے بندوں پر قسم قسم کے عذاب ڈالے اور رنگ رنگ کے
مصائب میں گرفتار کرے اگر یہی کرے تو پھر بھی اسکا عدل
ہی ہوگا اور اس کیلئے کوئی معیوب کام نہ تھا اور نہ ہوگا
خدا اپنے حسب وعدہ اور فضل و کرم سے بندوں کی اپنی اطاعت
قبول کرنے پر ثواب دیتا ہے ورنہ بندوں کا کوئی اس کے
ذمہ نہیں اور نہ ہی انکا کوئی فرض اسپر عائد ہوتا ہے کیونکہ
اسپر کوئی فعل بھی واجب نہیں ہو سکتا اور نہ اس سے
ظلم متصور ہو سکتا ہے اور کسی کا حق اسکے ذمہ پر واجب نہیں
مگر مخلوق پر اسکا حق اطاعت واجب ہے جو اس نے اپنے انبیاء کے
ذریعے سے بیان کیا ہے۔ اور وہ حق اطاعت صرف عقل سے دریافت
نہیں ہوتا تھا اسلئے اُسنے اپنے رسول بھیجے اور کھلا کھلا
معجزات سے انکی صداقت کا اظہار فرمایا تو پھر انہوں نے خدا کا امر
نہی، وعدہ اور وعید کی خبر دی۔ اس لئے مخلوق پر واجب
ہوگیا کہ جو کچھ بھی وہ کہتے ہیں اسکی تصدیق کریں (ا) کلمہ ثانیہ

صلی اللہ علیہ وسلم. واتہ تعالیٰ
بعث النبی الامی القرشی محمدا محمد علیہ السلام
صلی اللہ علیہ وسلم برسالتہ
الی کافۃ العرب والعجم والجن
والانس فنسخ بشرعہ الشرائع
الا ما قررہ وفضلہ علی سائر
الانبیاء وجعلہ سید البشر و
منع کمال الایمان بشہادۃ
التوحید وہی قولہ لا الٰہ الا اللہ
ما لم تقترن بہ شہادۃ الرسول
وہی محمد رسول اللہ فالزم الخلق
تصدیقہ فی جمیع ما اخبر بہ
من الدنیا والاخرۃ وانہ لا یقبل
ایمان عبد حتی یوقن بما اخبر عنہ
بعد الموت واولہ سوال منکر ونکیر منکر نکیر
وہما شخصان مہیبان ہائلان
یقعدان العبد فی قبرہ سویا ذا
روح وجسد فیسئلانہ عن التوحید
والرسالۃ ویقولان لہ من ربک و
ما دینک ومن نبیک وہما فتانا
القبر وسوالہما اول فتنۃ القبر
بعد الموت وان یومن بعذاب
القبر وانہ حق وحکمۃ وعدل علی
الجسم والروح علی ما یشاء ویومن

رسالت کا بیان یوں ہے کہ خدا ہی نے اپنا
نبی امی قرشی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و
سلم تمام کائنات کی طرف رسول بنا کر مبعوث
کیا ہے خواہ عرب ہوں یا عجم یا جن ہوں یا انسان۔
سوائے چند اصولی احکام کے تمام شرائع سابقہ
کے احکام کو منسوخ کر دیا اور تمام انبیاء
علیہم السلام پر آپ کو فضیلت بخشی۔ آپ کو
سید البشر بنایا اور جبتک محمد رسول اللہ کا اقرار نہ
ہو اقرار توحید یعنی لا الٰہ الا اللہ کہنے سے رُک دیا
اور مخلوق پر آپ کی تصدیق فرض کر دی۔ ان احکام
کے متعلق جو آپ نے دنیا و آخرت کی بابت بیان
کئے ہیں اور یہ بھی فرض کیا کہ کسی کا ایمان معتبر
نہیں جب تک وہ باتیں نہ مانے۔ جن کی خبر آپ نے
انسان کی موت کے بعد دی ہیں جن میں سے اول
منکر نکیر کا سوال ہے۔ یہ دو فرشتے با ہیبت خوفناک
ہیں، جو مُردہ کو قبر میں سیدھا بٹھا دیتے ہیں جس
میں روح اور جسم دونوں ہوتے ہیں۔ پھر توحید
اور رسالت نبوی کا سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب
کون ہے، تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون
ہے؟ اور یہ دو فرشتے قبر کا امتحان ہیں کیونکہ
موت کے بعد قبر میں پہلا امتحان ان کے سوالات
ہیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ مومن عذاب قبر کو تسلیم
کرے کہ وہ حق ہے اور حکمت اور عدل سے جسم اور
روح پر جس طرح کہ خدا چاہے۔ یہ بھی مانے کہ

بالميزان ذی الكفتين واللسان
وصفته فی العظم انه مثل طباق
السموات والارضين توزن فيه — وزن الاعمال
الاعمال بقدرة الله تعالیٰ والصنج[1]
يومئذ مثاقيل الذر والخردل
تحقيقا لتمام العدل وتطرح صحائف
الحسنات فی صورة حسنة فی كفة
النور فيثقل بها الميزان علیٰ قدر
درجاتها عند الله بفضل الله
تعالیٰ و تطرح صحائف السيئات
فی كفة المظلمة فيخف بها الميزان
بعدل الله تعالیٰ وان يؤمن بان
الصراط حق وهو جسر ممدود علی — جسر الصراط
متن جهنم احد من السيف وادق
من الشعر تزل عليه اقدام الكفرة
بحكم الله تعالیٰ فيهوی بهم الی النار
و تثبت عليه اقدام المؤمنين فيساقون
الی دار القرار و يؤمن بالحوض
المورود وحوض محمد صلى الله عليه
وسلم يشرب منه المؤمنون قبل
دخول الجنة وبعد جواز الصراط من
شرب منه شربة لا يظمأ بعدها
ابدا عرضه السماء فيه ميزابان
يصبان من الكوثر و يؤمن بيوم الحساب

میزان عمل کے دو پلڑے ہیں اور ایک قبضہ کی رسی ہے
اس کی بڑائی کا بیان یوں ہے کہ وہ زمین آسمان
کی وسعت کے برابر بڑی ہے۔ اس میں قدرت الٰہیہ
سے اعمال تولے جائیں گے اور اس کے بٹے[1] چیونٹی
اور رائی کے دانے کے برابر بھی ہونگے تاکہ پورا پورا
انصاف ہو۔ پھر اس کے نورانی پلّہ میں نیک اعمال
کے صحیفے ڈالے جائیں گے، جن سے وہ ترازو بوجھل
معلوم ہوگا۔ انکے نیک اعمال کے درجہ کے مطابق
خدا کے فضل وکرم سے۔ پھر دوسرے تاریک پلڑے
میں بداعمالیوں کے صحیفے ڈالے جائیں گے تو وہ خدا
کے عدل و انصاف سے ہلکا ہوجائے گا۔ مؤمن یہ بھی
مانے کہ پل صراط حق ہے اور جہنم کی پشت پر یہ ایک
لمبا پل بچھایا جائے گا جو تلوار سے تیز ہوگا اور بال سے باریک
اس سے کفار کے قدم پھسل جائیں گے اور خدا
کے حکم سے جہنم رسید ہوں گے۔ مومنین کے
قدم اس پر ٹک جائیں گے تو جنت کو بھجائے
جائیں گے۔ یہ بھی مانے کہ حوض کوثر حق ہے
جس پر لوگ آئیں گے اور حضور علیہ السلام
کے حوض محمدی سے دخول جنت سے پہلے
مؤمنین پانی پئیں گے اور پل صراط سے گذر کر
بھی اس کا پانی پئیں گے۔ اور جو شخص اس کا
ایک گھونٹ بھی پی لیگا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اس
کی وسعت آسمان کے برابر ہے اسمیں دو نالیاں حوض کوثر
سے نکل کر گرتی ہیں۔ مومن یہ بھی مانے کہ حساب کا دن حق

---

[1] صنج پاسنگ ترازو۔

وتفاوت الخلق فيه الى مناقش
في الحساب والى مسامح فيه والى
من يدخل الجنة بغير حساب
وهم المقربون فيسئل الله من
شاء من الانبياء عن تبليغ الرسالة
ومن شاء من الكفار عن تكذيب
المرسلين ويسأل المبتدعين
عن السنة ويسأل المسلمين
عن الاعمال ويؤمن باخراج الموحدين
من النار بعد الانتقام حتى لا يبقى
في جهنم موحد بفضل الله تعالى
ويؤمن بشفاعة الانبياء ثم العلماء
ثم الشهداء ثم سائر المؤمنين
كل على حسب جاهه ومنزلته و
من بقي من المؤمنين ولم يكن له شفيع
اخرج بفضل الله تعالى ولا يخلد
في النار مؤمن بل يخرج منها من
كان في قلبه مثقال ذرة من
الايمان وان يعتقد فضل الصحابة — فضل الصحابة
وترتيبهم وان افضل الناس
بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم
ابو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي
رضي الله عنهم وان يحسن الظن
بجميع الصحابة وان يثني عليهم

ہے جس میں مخلوقات مختلف طریق پر مبتلا ہوگی۔
کسی سے خوب باز پرس ہوگی اور کسی سے چشم پوشی
کی جائے گی۔ اور کئی ایک بغیر حساب کے بھی داخل
جنت ہوں گے اور یہ لوگ خدا کے مقرب ہوں گے
خدا کا منشاء ہوگا تو انبیاء علیہم السلام سے بھی
سوال ہوں گے کہ تبلیغ کیسے کی ہے جی چاہیگا تو کفار
اور مکذبین سے بھی سوال ہوں گے کہ تم نے رسول
کی تکذیب کیوں کی؟ بدعتی اور مخالف سنت سے سوال
ہوگا کہ تم نے سنت طریق کو کیوں چھوڑا اور اہل اسلام
سے اعمال کے متعلق سوال ہوگا اور مومن یہ بھی مانے کہ
اہل توحید جہنم سے بدلہ پاکر آخر نجات پائیں گے یہاں تک
کہ خدا کے فضل وکرم سے وہاں کوئی اہل توحید نہ رہیگا
یہ بھی مانے کہ انبیاء علیہم السلام شفاعت کرینگے۔ انکے
بعد اہل علم پھر شہادت یافتہ اور سب کے آخر باقی اہل اسلام
اپنی اپنی قدر ومنزلت کے مطابق شفاعت کریں گے
اور جو مومن جہنم میں بغیر شفاعت کے پڑا رہیگا اور اسکا
کوئی شفیع نہ ہوگا تو خدا کے اپنے فضل سے جہنم سے نکالا
جائیگا اور دوزخ میں کوئی اہل ایمان باقی نہ رہیگا بلکہ
جسکے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ بھی جہنم سے
نکال دیا جائے گا۔ یہ بھی مانے کہ صحابہؓ کی فضیلت برحق
ہے اور ان میں ترتیب وار فضیلت یوں ہے کہ حضور علیہ السلام
کے بعد افضل الناس حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں
پھر حضرت فاروق پھر حضرت عثمان غنی پھر حضرت علی رضی
اللہ عنہم یہ بھی ضروری ہے کہ مومن صحابہؓ کے متعلق حسن ظن رکھے

كما اثنى الله تعالى ورسوله
صلى الله عليه وسلم وعليهم اجمعين
فكل ذلك مما وردت به السنة
وشهدت به الآثار فمن اعتقد
جميع ذلك موقنا به كان من
اهل الحق وعصابة السنة و
فارق رهط الضلال والبدعة
فنسأل الله تعالى كمال اليقين
والثبات فى الدين لنا ولكافة
المسلمين انه ارحم الراحمين
وصلى الله على سيدنا محمد واله
وصحبه اجمعين۔ انتهى ما اردنا
نقله من كتاب (قواعد العقائد)
للامام حجة الاسلام رحمة الله عليه
قال المؤلف عفى الله عنه بسم الله
الرحمن الرحيم وبه نستعين
اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا
اتباعه وارنا الباطل باطلا و
ارزقنا اجتنابه اما بعد

العقائد الصحيحة

فقد اختلفت الامة فى العقائد
اختلافا كثيرا وتفرقت آراؤهم
ووقع بينهم التنافر والتباغض
وادعت كل طائفة انها على
الحق وما سواها على الباطل كيف

اور جس طرح اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ السلام نے
ان کی تعریف و توصیف کی ہے یہ بھی ان کی
تعریف کرے۔ ان تمام عقائد کے متعلق شاہد احادیث
نبوی وارد ہیں اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم مشابہ ہیں
جو شخص ان تمام عقائد کو تسلیم کرے وہ اہل حق
اور اہل سنت ہوگا۔ اور اہل بدعت اور گمراہ
فرقوں سے الگ سمجھا جائے گا۔ ہم سب کا فرض
ہے کہ خدا تعالیٰ سے کمال یقین اور اسلامی استقلال
کی درخواست کریں اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے
لئے کیونکہ وہی ارحم الراحمین ہے وصلی اللہ
علی سیدنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین
یہاں تک جو ہمیں امام صاحب کی کتاب قواعد
العقائد سے نقل کرنا تھا نقل کر دیا ہے۔ اب
مؤلف رسالہ ہذا (عفی عنہ) اپنا مضمون شروع
کرتا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین
یا اللہ ہمیں جو حق بات ہے وہ ٹھیک ٹھیک دکھا
دے اور باطل کو واقعی طور پر باطل دکھا
اور ہمیں اس سے کنارہ کشی نصیب کر۔
اس کے بعد واضح ہو کہ آج اس امت محمدیہ میں

اختلاف الامة

عقائد کا اختلاف بہت ہے اور ان کی رائیں
مختلف ہیں اور ان میں باہمی نفرت پیدا ہو چکی
ہے۔ اور بغض پیدا ہو گیا ہے۔ ہر ایک فرقہ کا
دعوی یہی ہے کہ میں ہی حق پر ہوں اور دوسرے
باطل پر ہیں۔ کیوں ایسا نہ ہو جب کہ حضور

لا وقد اخبرنا بهذه الحالة
سيدنا رسول الله صلى الله
عليه وسلم حيث قال ستفترق
امتي على ثلاث وسبعين — فرق اهل البدعة ٧٢ فرقة
فرقة الحديث وقد ذكرت
هذا الحديث بماله وما عليه
في آخر كتابي المسمى (بالاصول
الاربعة في ترديد الوهابية)
بالفارسية وها انا اذكره
ههنا اتماما للفائدة - عن
عبد الله بن عمرو قال قال
رسول الله صلى الله عليه
وسلم ليأتين على امتي ما
اتى على بني اسرائيل حذو
النعل بالنعل حتى ان كان
منهم من اتى امه علانية لكان
في امتي من يصنع ذلك و
ان بني اسرائيل تفرقت
على ثنتين وسبعين ملة
وتفرق امتي على ثلاث و
سبعين ملة كلهم في النار
الا امة واحدة قالوا من
هي يا رسول الله قال ما
انا عليه واصحابي رواه الترمذي

علیہ السلام نے ہمیں پہلے ہی خبر دی ہوئی
ہے اور فرمایا ہے کہ میری امت ۷۳ فرقہ
پر تقسیم ہو جائے گی ... اور یہ حدیث
پورے سوال وجواب کے ساتھ میں نے اپنی
کتاب فارسی الاصول الاربعۃ فی
تردید الوہابیۃ کے اخیر نقل
کردی ہوئی ہے - مگر تاہم تکمیل فائدہ
کے لئے اسے یہاں بھی نقل کرتا ہوں
کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت
پر وہ انقلاب آئے گا - جو بنی اسرائیل
پر آیا تھا ہو بہو، یہاں تک کہ اگر ان
میں سے کسی نے اپنی ماں سے بد فعلی
کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسے لوگ
ہوں گے، جو ایسا کر گذریں گے امت
بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں پر منقسم ہو گئی
تھی، اور میری امت ۷۳، ملت پر تقسیم
ہوگی اور وہ سارے کے سارے جہنم
میں جائیں گے مگر ایک فرقہ بچ رہے گا.
حاضرین نے پوچھا کہ یا رسول صلعم وہ
کونسا فرقہ ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ ہے،
جو ان اصولوں پر قائم ہوگا کہ جن پر میں
اور میرے صحابہ رض قائم ہیں. (رواہ الترمذی

وفی روایة احمد وابی داؤد عن
معاویة ثنتان وسبعون فی ۷۲ فرقة
النار وواحدة فی الجنة وهی
الجماعة وانه سیخرج فی امتی
اقوام تتجاری بهم تلك الاهواء
کما تتجاری الکلب بصاحبه لا
یبقی عنه عرق ولا مفصل الا
دخلته فان قیل هل الفرق
التی ذکرت فی الحدیث من اهل
الدعوة او من اهل الاجابة
نقول بل هی من اهل الاجابة
لانهم ذکروا بلفظ امتی مکررا
واما اهل الدعوة الذین ما
امنوا بالله ورسوله فلا
ید خلون فی امته صلی الله
علیه وسلم وههنا سوال آخر
اصعب من الاول وتقریره ان
کل طائفة من الطوائف الثلاث
والسبعین قد ادعی وتزعم انها
هی الطائفة الناجیة وانها هی
مصداق ما انا علیه واصحابی
فمن ذا الذی یحل هذه العقدة
بالامانة فاضطربت اهل
السنة والجماعة للجماعات

امام احمد اور ابوداؤد حضرت معاویہؓ سے روایت
کرتے ہیں کہ ۷۲ فرقے دوزخ میں جائیں گے اور
ایک فرقہ جنت میں داخل ہوگا اور اس فرقہ کا نام
جماعت ہے۔ میری امت میں ایسی قومیں بھی
پیدا ہونگی کہ جن کو یہ نوپیدا خیالات اسطرح اڑا لے جائیں
گے جس طرح کہ دیوانہ کتے کی زہر دوڑاتی ہے باولے
کتے کے کاٹے ہونے کا کوئی رگ و ریشہ نہیں ہوتا
کہ جس میں اسکی زہر کا دخل نہ ہو۔ اب اگر یہ سوال کیا
جائے کہ جو دوزخی ۷۲ فرقے حدیث میں مذکور ہیں
وہ کوئی نیا اسلام پیش کریں گے یا اسی اسلام کے
دعویدار رہیں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سب
اسلام کے دعویدار ہونگے کیونکہ حضور علیہ السلام نے
ان کو امت کے لفظ سے بار بار ذکر کیا ہے مگر جو
لوگ نیا مذہب پیش کرینگے یہ وہ ہونگے جو خدا و رسول
کو نہیں مانینگے، اسلئے وہ امت محمدیہ میں داخل نہیں
پہلی قسم کا نام اہل اجابت ہے اور دوسری کا نام
اہل دعوت ہے اس مقام پر ایک مشکل سوال پیدا
ہوتا ہے کہ ۷۳ فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ کا یہی
دعویٰ ہے کہ ہم نجات پانے والی (فرقہ ناجیہ) جماعت
ہیں اور ہم ہی ما انا علیہ واصحابی
کی صحیح مثال ہیں۔ کیا کوئی یہ عقدہ
ایمان داری سے حل کرسکتا ہے؟ اس لئے
اس کے جواب میں اہل السنت والجماعت
بے چین ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں

الی حضرة الله تعالی فوجدوا
قوله تعالی فلا وربك لا یؤمنون
حتی یحکموك فیما شجر بینهم فحکمنا
صلی الله علیه وسلم فی هذه
الفیصلة المعضلة فوجدنا بحمده
تعالی فی ذلك الحدیث قوله صلی
الله علیه وسلم وهی الجماعة ومعلوم
ان لفظة الجماعة جزء من اسم
اهل السنة والجماعة فی روایة ابی
داؤد واحمد والمراد من الجماعة کثرة
الافراد وکثرة افراد اهل السنة
والجماعة المقلدین للمذاهب الاربعة
شرقا وغربا من الفرق الضالة
بدیهی لا یحتاج الی دلیل سوال
آخر قال بعض اهل الضلال المراد
من الجماعة فی الحدیث من کان علی
الحق وان قلت افراده قلنا لیس
الامر کما زعموا لان النبی صلی الله
علیه وسلم قال فی حدیث آخر
عن ابن عمر رضی الله عنهما قال
قال رسول الله صلی الله علیه وسلم
ان الله لا یجمع امتی او قال امة
محمد علی ضلالة ویدالله علی الجماعة
ومن شذ شذ فی النار رواه الترمذی

اهل السنة و الجماعة

گڑگڑائے تو ان کو قرآن مجید کی یہ آیت نظر آئی
کہ بخدا وہ لوگ مومن شمار نہ ہونگے یہانتک کہ
وہ اپنے باہمی تنازعات میں آپکو حکم نہ مانیں گے
اس لئے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس
لاینحل سوال میں اپنا حکم مان لیا اور فیصلہ ہوگیا
کیونکہ حدیث مذکور میں حضور علیہ السلام کا یہ لفظ مبارک
موجود ہے کہ وہ فرقہ ناجیہ جماعت ہے اور یہ سب کو
معلوم ہے کہ جماعت کا لفظ فرقہ اہل سنت والجماعت
کے نام کا اصلی جزو ہے جیسا کہ امام احمد و ابو داؤد
کی روایت میں ہے اور جماعت سے مراد ہمیشہ
کثرتِ افراد ہوا کرتے ہیں اور کثرت افراد اہل سنت
والجماعۃ ہی ہیں جو مذاہب اربعہ کے مشرق ومغرب
میں مقلد ہیں اور یہ کثرت گمراہ فرقوں کے مقابلہ
پر ایسی روشن ہے جس کو کسی دلیل کی ضرورت نہیں
(سوال دیگر) ایک گمراہ فرقہ کا قول ہے کہ حدیث
میں جماعت کا لفظ آیا ہے اور اسی سے مراد اہل
حق ہیں اگرچہ ان کے افراد کی قلت ہو ہم جواباً کہتے
ہیں کہ یہ مطلب صحیح نہیں کیونکہ وہ خود نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں جسے حضرت
ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے فرمایا ہے
کہ خدا تعالی میری امت کو یا بالفاظ دیگر امت محمدیہ
کو گمراہی پر متفق نہیں کرے گا اور جماعت پر خدا کا
ہاتھ ہوتا ہے۔ جو شخص جماعت سے الگ
ہوگا۔ وہ دوزخ میں پھینکا جائیگا (رواہ الترمذی)

امة محمد
لا تجتمع
على الضلالة

وعن ابی بصرة قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سألت ربی ان
لا تجتمع امتی علی ضلالة فاعطانیہا
رواہ الطبرانی وعن ابن عباس
رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم من فارق الجماعة
فمات مات میتةً جاهلیة رواہ
البخاری - فان قیل وان ذکر فی
هذه الاحادیث لفظ الاجتماع
ولفظة الجماعة لکنه لم یصرح بان
المراد من الجماعة کثرة الافراد نقول
من ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتبعوا
السواد الاعظم فانّه من شذّ
شذّ فی النار رواہ ابن ماجه وعن
معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان الشیطان
ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ
الشاة القاصیة والناحیة وایاکم
والشعاب وعلیکم بالجماعة والعامة
رواہ احمد وعن ابی هریرة رضی اللہ
عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیه وسلم من فارق الجماعة شبرا
فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه

ابو بصرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا
ہے کہ میں نے خدا سے یہ درخواست کی تھی کہ میری
امت گمراہی پر متفق نہ ہو تو خدا نے مجھے یہ عطیہ بخش
دیا (رواہ طبرانی) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ
عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ جو شخص جماعت سے الگ ہو کر مر جائے
تو بے دینی کی موت مریگا۔ (رواہ البخاری) اگر
یہ سوال کیا جائے کہ اگرچہ حدیث میں لفظ جماعت
یا لفظ اجتماع مذکور ہے۔ لیکن احادیث میں
تصریح موجود نہیں کہ اس سے مراد کثرت افراد ہیں
تو ہم اس کے جواب میں یوں کہیں گے کہ حضرت ابن
عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم کثیر التعداد
جماعت کی تابعداری کرو، ورنہ جو الگ ہوگا، وہ اکیلا
جہنم ہوگا (رواہ ابن ماجہ) اور حضرت معاذ بن جبل
رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان انسان کے لئے
بھیڑیا ہے جسطرح کہ بھیڑ بکری کے لئے بھیڑیا ہوتا
ہے اور وہ اس بھیڑ بکری کو پکڑ لیتا ہے جو ریوڑ
سے الگ چرتی ہے یا کنارہ کرتی ہے تم ایسی کنارہ
کشیوں سے پرہیز رکھو اور عام اہل اسلام اور جماعت کا دامن تھام
رکھو (رواہ احمد) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی
کریم نے فرمایا ہے کہ جو جماعت سے ایک بالشت بھر بھی الگ
ہوگا یوں سمجھو کہ اس نے اسلام کا جوا اپنی گردن سے اتار دیا

رواه احمد وابو داؤد مشكوة شريف
فحمله السواد الاعظم ولفظة العامة
تصريح بكثرة الافراد وكثرة افراد
أهل السنة والجماعة بالنسبة الى
جميع طوائف الضلال امر بديهي
معلوم بالضرورة فثبت ان الفرقة

الفرقة الناجية

الناجية هي أهل السنة والجماعة
المقلدين للمذاهب الاربعة المشهورة
والحمد لله على ذلك اذا علمت هذا

المجاز و الحقيقة

فاعلم ان المجاز والحقيقة مستعملان
في جميع لغات العرب والعجم
شقيها وسعيدها حتى في كلام
الله تعالى الملك العلام ولنقتصر
في هذا المقام بذكر بعض آيات
القرآن الحكيم قال الله تعالى الله
يتوفى الانفس حين موتها وقال
تعالى قل يتوفاكم ملك الموت
الذي وكل بكم فالاول حقيقة
والثاني مجاز قال الله تعالى يهب
لمن يشاء اناثا ويهب لمن يشاء
الذكور وقال تعالى حكاية عن
جبرئيل عليه السلام لاهب لك
غلاما زكيا فالاول حقيقة و
الثاني مجاز قال الله تعالى قل

(رواہ احمد وابوداود) یہ حدیث مشکوۃ شریف میں بھی
ہے۔ بہرحال السواد الاعظم یا العامۃ لفظ کثرت
افراد کی تصریح کر رہا ہے۔ اور اہل سنت والجماعت
کے افراد کی کثرت تمام گمراہ فرقوں کے مقابلہ پر بالکل
واضح اور صاف ہے۔ اور ہر ایک کو معلوم ہے اس
لئے ثابت ہوا کہ اس مقام پر فرقہ ناجیہ سے مراد اہل سنت
والجماعۃ ہی ہے جو مشہور مذاہب اربعہ کے مقلد ہیں
(الحمد للہ علی ذلک) ان معلومات کے بعد واضح ہے
کہ عرب و عجم کی تمام زبانوں میں حقیقۃ و مجاز کا استعمال
موجود ہے خواہ وہ اچھی ہوں یا بری یہانتک کہ خود
کلام الٰہی میں بھی یہ دونوں موجود ہیں چنانچہ ہم چند
آیات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں (اول) یہ کہ خدا
موت کے وقت روح کو اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے
پھر فرمایا کہ ملک الموت تمہیں وفات دیتا
ہے جو تم پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ پس توفی کا
تعلق خدا سے حقیقی ہے اور فرشتے سے
مجازی۔ (دوم) خدا جسے چاہتا ہے
لڑکیاں بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے
لڑکے بخشتا ہے۔ پھر حضرت جبرئیل
علیہ السلام کا قول یوں منقول ہے کہ آپ
نے حضرت مریم علیہا السلام کو یوں کہا
تھا کہ میں اس لئے تیرے پاس آیا
ہوں کہ تمہیں مقدس لڑکا دوں۔ خدا کا ہبہ حقیقی ہے
اور جبریل ع کا مجازی۔ (سوم) اے میرے بندو!

یا عبادی الذین اسرفوا وان عبادی
لیس لک علیہم سلطان وقال تعالٰی
من عبادکم واما ئکم فالاول حقیقۃ
والثالث مجاز قال اللہ تعالٰی ھو
یحیی و یمیت وقال تعالٰی حکایۃ عن
سیدنا عیسٰی علیہ السلام واحی الموتی
باذن اللہ فالاول حقیقۃ والثانی مجاز
قال اللہ تعالٰی واللہ یھدی من یشاء
الی صراط مستقیم وقال تعالٰی وانک
لتھدی الی صراط مستقیم فالاول
حقیقۃ والثانی مجاز قال اللہ تعالٰی
یدبر الامر وقال تعالٰی فالمدبرات امرا
فالاول حقیقۃ والثانی مجاز قال اللہ
تعالٰی قل لا یعلم من فی السموات والارض
الغیب الا اللہ وقال تعالٰی حکایۃ من سیدنا
عیسٰی علیہ السلام وانبئکم بما تاکلون
وما تدخرون فی بیوتکم وقال اللہ
تعالٰی حکایۃ عن سیدنا یوسف علیہ السلام
لا یاتیکما طعام ترزقانہ الا نبأتکما
بتاویلہ قبل ان یاتیکما فالاول حقیقۃ
والثانی مجازا قال اللہ تعالٰی عن سیدنا
ابراھیم واذا مرضت فھو یشفین و
قال تعالٰی حکایۃ عن
سیدنا عیسٰی علیہ السلام

جنہوں نے بے اعتدالی کی ہے رحمتِ الٰہی سے نا امید
نہ ہو جاؤ اور شیطان سے یوں کہا کہ میرے بندوں پر
تیرا تسلط نہ ہوگا۔ پھر فرمایا کہ تم اپنے بندوں اور
کنیزوں کے نکاح کر دیا کرو۔ پس پہلی دو آیتوں میں
عبد کا تعلق خدا سے حقیقی ہے اور تیسری آیت میں
لوگوں سے تعلق مجازی ہے (چہارم) خدا ہی موت حیات
دیتا ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا قول یوں نقل
کیا ہے کہ میں بفضلِ خدا مُردے زندہ کرتا ہوں۔ تو
زندگی دینے کا تعلق خدا سے حقیقی ہے اور حضرت عیسٰی ؑ سے
مجازی (پنجم) خدا جسے چاہے راہِ راست دکھاتا ہے اور
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ راہ راست دکھاتے
ہیں مگر الٰہی ہدایت حقیقی ہے اور ہدایت نبوی مجازی ہے
(ششم) خدا کائنات کی تدبیر کرتا ہے پھر فرمایا کہ
قسم ہے انکی جو تدبیر کرنے والے ہیں پہلی آیت میں حقیقت ہے
دوسری میں مجاز (ہفتم) کہو! جو لوگ یا فرشتے آسمان و
زمین میں ہیں انمیں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا لیکن اللہ
غیب جانتا ہے اور حضرت عیسٰی ؑ کا حال یوں بتایا کہ آپ
کہتے تھے کہ میں تمکو سب کچھ بتاؤنگا۔ جو تم کھاتے ہو یا
جمع رکھتے ہو اپنے گھروں میں پھر حضرت یوسف ؑ کے متعلق فرمایا کہ آپ
دو قیدیوں سے یوں کہتے تھے کہ نہیں آئیگی تمہارے خوراک جو تمہیں
دیجاتی ہے مگر میں اسکے آنے سے پہلے ہی تمہارے خوابوں کی
تعبیر کردونگا پہلی آیت میں حقیقۃ دوسری دو آیتوں میں مجاز
ہے (ہشتم) حضرت ابراہیم ؑ کا قول یوں نقل کیا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ جب
میں بیمار ہوتا ہوں تو خدا ہی مجھے شفا دیتا ہے اور عیسٰی علیہ السلام کہتے تھے

والاكمه والابرص واُحي الموتىٰ باذن
الله فالاوّل حقيقة والثانى
مجاز قال الله تعالیٰ وهو
الخلاق العليم وقال تعالے
حكاية عن سيدنا عيسى عليه السلام
انى اخلق لكم من الطين كهيئة
الطير فيكون طيرا باذن الله
فالاوّل حقيقة والثانى مجاز
قال الله تعالیٰ ان الله
هو الرزاق ذو القوة
المتين وقال تعالیٰ واذا حضر
القسمة اولوا القربىٰ واليتمىٰ و
المساكين فارزقوهم منه فالاوّل
حقيقة والثانى مجاز قال الله تعالیٰ
ان الله هو السميع البصير وقال
تعالیٰ انا خلقنا الانسان من نطفة
امشاج نبتليه فجعلناه سميعا بصيرا
فالاول حقيقة والثانى مجاز الى
غير ذلك من الايٰت القرانية والاحاديث
النبوية فاذا كان المجاز مستعملا فى
كلام الله تعالیٰ على العموم فان استعمله
عباده فى بعض محاوراتهم فاى قباحة
فيه ويبنى على هذا الاصل مسائل
كثيرة التى هى معركة الآراء بين المقلدين

کرمیں مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیتا
ہوں اور خدا کے فضل سے مُردے بھی زندہ کر لیتا
ہوں۔ پس پہلی آیت میں حقیقت ہے دوسری میں
مجاز (نہم)، فرمایا کہ خدا ہی پیدا کرنے والا اور خوب
جاننے والا ہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول
بیان کیا کہ میں مٹی سے پرندوں کی وضع و شکل
بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا
کے فضل سے پرندے بن جاتے ہیں۔ یہاں بھی پہلے
حقیقت ہے پھر مجاز ہے (دہم)، فرمایا کہ وہی خدا ایک
کا رازق ہے اور زبردست طاقت کا مالک ہے پھر
فرمایا کہ جب میراث تقسیم کرنے کے وقت رشتہ دار،
یتیم اور مسکین حاضر ہوں تو اس میں سے ان کو رزق
دو۔ یہاں بھی پہلے حقیقت ہے پھر مجاز ہے (یازدہم)
فرمایا کہ خدا ہی سمیع و بصیر ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے
انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔ تاکہ اس کو دنیا کے
ابتلا میں ڈالیں اس لئے اسے سمیع و بصیر بنا دیا۔ پہلا
سمیع و بصیر حقیقت ہے دوسرا مجاز۔ الغرض اس قسم
کی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ بہت ہیں پس جب
حقیقت و مجاز کا استعمال قرآن مجید میں موجود
ہے تو اگر اسے خدا کے بندے استعمال کرلیں اپنے
محاورات میں تو کون سی قباحت ہوگی
بہرحال اس اصول پر کئی ایک
مسائل کی بنیاد قائم ہے۔ جو
مذاہب اربعہ کے مقلدین اور

للمذاهب الاربعة وبين غير
المقلدين للمذاهب ومن
نحى نحوهم فمن تلك المسائل

المسئلة علم الغيب

مسئلة علم الغيب للنبي صلى
الله عليه وسلم اولبعض خواص
امته فاذا جاز ان يخبر سيدنا
عيسى عليه السلام بما ياكلون
وما يدخرون امته في بيوتهم
فلم لا يجوز ان يخبرنا سيدنا
رسول الله صلى الله عليه وسلم
او بعض خواص امته ببعض المغيبات
او الامور الاتية في الدنيا و
البرزخ فان قيل ان ذلك كان
معجزة لسيدنا عيسى عليه السلام
قلنا لم لا يجوز ان تكون هذه
الامور معجزة لسيدنا رسول الله
صلى الله عليه وسلم وكرامة لخواص
امته فان قيل كان ذلك باعلام الله
تعالى اياه قلنا كذلك كان هذا
باعلام الله تعالى اياه وليعلم ان
مسئلة علم الغيب من اكبر المسائل
المتنازعة بين علماء الوقت ووقع
الطرفان في الافراط والتفريط و
تشاجروا بينهم اشد المشاجرات و

وہابیوں کے درمیان زیر بحث اور استدلالی جنگ
کا میدان بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے درمیان
جو ان کے طریق پر چلتے ہیں چنانچہ ان میں سے ایک
علم غیب کا مسئلہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
اور خاصان امت محمدیہ کو حاصل تھا یا نہیں؟ پس
جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھانے اور گھروں کے ذخیرہ
کی خبر غیب دیتے ہیں تو یہ امر کیوں جائز نہ ہوگا کہ نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمدیہ کے خاص
خاص مقرب بندے بھی غیب کی چند خبریں دنیا
یا دنیا کے مستقبل کے حالات اور برزخ کے حالات
بتائیں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ تو حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ہمارے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی
کیوں معجزہ نہیں ہو سکتی اور خواص امت کے
لئے کرامت کیوں نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ سوال ہو
کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو خود خدا بتا دیتا
تھا، تو ہم کہیں گے کہ ہمارے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کو بھی تو خدا بتا دیتا تھا۔ اب واضح
رہے کہ مسئلہ علم غیب ایک عظیم الشان
زیر بحث مسئلہ ہے، جس پر علمائے وقت
جھگڑتے رہتے ہیں۔ اور فریقین افراط و
تفریط میں پڑ گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے
ان کے درمیان سخت اختلاف رونما
ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے

كفر بعضهم بعضا فقوم اثبتوا
علم الغيب الكلي والجزئي وماكان
وما يكون للنبي صلى الله عليه وسلم
باعلام الله تعالى اياه وقوم نفوا
العلم الكلي راسا عنه صلى الله
عليه وسلم وقالوا ان علم الغيب الكلي
لا يكون الا لله تعالى واما الجزئي
فكما يكون للرسول كذلك يكون
للمجانين والبهائم عياذا بالله تعالى
عن هذه العقيدة المفضية عن
توهين الرسول صلى الله عليه و
سلم المفضية الى سوء الخاتمة وقوم
اثبتوا للنبي صلى الله عليه وسلم
جميع علوم الغيب التي تتعلق بالنبوة
[1] من الامم السالفة واحوال البرزخ
واحوال القيامة ونعم الجنة و
عذاب النار وبعض علوم العالم
العلوي والسفلي باعلام الله
تعالى اياه وهذه العقيدة
هي المتوسطة بين الافراط
والتفريط واقرب للتقوى
وليت شعري اي جواب للمثبتين
جميع علوم الغيب الكلي والجزئي وماكان
ومايكون للنبي صلى الله عليه وسلم في العلوم

کو کافر بھی کہہ چکے ہیں۔ کیوں کہ ایک فریق
نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم
غیب کُلی اور غیب جزئی اور غیب ماضی
ومستقبل ثابت کیا ہے کہ خدا تعالےٰ نے
آپ کو ان سب چیزوں کا علم دیا تھا۔ ایک
فریق نے سرے سے علم کُلی ہی کی نفی کردی ہے کہ وہ
حضور علیہ السلام کو حاصل نہ تھا کیونکہ علم غیب کلی اللہ تعالےٰ
کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ اور غیب جزئی تو کوئی بڑی
بات نہیں کیونکہ وہ جس طرح رسول کو حاصل ہے۔ اسی طرح
دیوانوں اور چارپایوں کو بھی حاصل ہے (خدا ایسے عقیدہ سے
بچائے) یہ ایسا عقیدہ ہے کہ جس میں رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا اظہار ہوتا ہے اور
کشاں کشاں بُرے خاتمہ تک پہنچانے والا ہے۔ ایک
فریق نے وہ تمام علومِ غیبیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
لئے ثابت کئے ہیں جو رسالت اور نبوت سے تعلق
رکھتے ہیں یا گذشتہ امتوں اور احوالِ برزخ یا قیامت
کے خوفناک حالات سے تعلق رکھتے ہیں یا جنت کی نعمتوں
اور دوزخ کے عذاب کے متعلق ہیں اس کے علاوہ علم
غیب بھی جو عالم بالا اور دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو
خدا تعالیٰ نے آپکو بتا دیئے ہیں اور یہ عقیدہ افراط و
تفریط کے درمیان ہے اور تقوےٰ کے قریب ہے۔ کاش
ہمیں معلوم ہو جاتا کہ جو لوگ تمام قسم کے علوم غیبیہ کلی
جزئی ماضی، حال اور استقبال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے لئے ثابت کرتے ہیں وہ ان علوم کے متعلق کیا جواب

[1] من احوال الامم

المنهية في الشرع كالنجوم والجفر
والنيرنجات والكهانة والموسيقى
والسحر والرمل والحكمة اليونانية
في الالهيات وما جوابهم نقول
الله تعالى وما علمناه الشعر وما
ينبغي له وقوله تعالى وما هو
بساحر وما هو بقول كاهن .
فان قيل هذه العلوم ليست من
الغيب بل من الشهادة نقول اما
كانت هذه العلوم داخلة فيما
كان وما يكون فان قيل نعم
قلنا رفع الله تعالى ساحة الرسالة
عن الاتهام بهذه العلوم فانه
هو الرسول النبي الامي والكفار
كانوا يتهمونه بالسحر قال الله
تعالى وما هو بساحر ويتهمونه
بالكهانة قال الله تعالى ولا
بقول كاهن وكانوا يقولون
انما يعلمه بشر قال الله تعالى
لسان الذي يلحدون اليه اعجمي
وهذا لسان عربي مبين وان
قيل لا يعني ليست هذه العلوم
داخلة فيما كان وما يكون
نقول ففي اي شيئ تدخل هذه

دیں گے جو شرع میں ممنوع قرار دئیے گئے ہیں۔ مثلاً نجوم
جفر، شعبدہ بازی، کہانت، موسیقی، سحر، رمل، یونانی
فلسفہ جو الٰہیات کے متعلق ہے۔ (کیا یہ بھی آپ کو
حاصل تھے؟) اور وہ اس کا بھی کیا جواب دیں گے
کہ خود خدائے تعالٰی نے تصریح کے ساتھ فرمایا ہے
کہ ہم نے اپنے رسول کو شعر کا علم نہیں سکھلایا اور
نہ ہی یہ علم آپ کے شان کے شایاں ہے۔ اور یہ بھی
فرمایا کہ آپ جادوگر نہ تھے اور یہ قرآن کسی کاہن کا
قول نہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ علوم از قسم غیب
نہیں بلکہ از قسم ظاہر ہیں تو ہم جواب میں پوچھیں گے
کہ اگر وہ غیب میں داخل نہیں تو کیا وہ ماکان ومایکون میں
بھی داخل ہیں یا نہیں؟ تو اگر جواب دیا جائے کہ ہاں
وہ ان میں داخل ہیں تو ہم کہیں گے کہ اگرچہ وہ داخل ہیں
مگر خدا تعالٰی نے ذاتِ رسالت کو ان علوم کی آلائش سے
صاف کر دیا ہوا ہے کیونکہ آپ رسول اُمی تھے۔ کفار جادو
کا الزام دیتے تھے مگر خدا نے کہا وہ جادوگر نہیں۔
پھر وہ کہانت کا الزام دیتے تھے کہ جن بھوت کے ذریعہ
سے آپ خبریں دیتے ہیں لیکن خدا نے کہا کہ یہ قرآن کسی
کاہن کا قول بھی نہیں۔ پھر وہ کہتے تھے کہ کوئی اور آدمی
آپکو یہ قرآن سکھاتا ہے تو خدا نے جواب میں کہا کہ جس آدمی
کی طرف تعلیم قرآن کو منسوب کرتے ہیں وہ تو عجمی ہے۔
عربی زبان جانتا ہی نہیں اور یہ قرآن فصیح عربی میں ہے۔
اگر یوں کہا جائے کہ نہیں یعنی ماکان اور مایکون میں یہ
علوم ممنوعہ داخل نہیں تو ہم پوچھیں گے کہ پھر یہ علوم

العلوم ۔ وآیّ جواب للناهين عن
اخباره صلى الله عليه وسلم
بعذاب القبر وسوال الملكين وضغطة
القبر واخباره عليه الصلوة والسلام
بالفتوحات الاسلامية قبل
وقوعها واخباره باحوال اخر الزمان
فوقع جميع ما اخبر به صلى الله عليه
وسلم كما اخبر به واى جواب لهم
من تعيين مواضع قتل الكفار فى
البدر فقتلوا فى تلك المواضع وهل
البهائم والمجانين يخبرون بمثل هذا
وسمعت ممن اعمى الله قلبه ان النبى
صلى الله عليه وسلم لو كان يعلم
فتح المسلمين وقتل الكفار ببدر لما
التجاء الى الله فى سجوده بفتح المؤمنين
وقتل الكفار ولم يعلم المحروم ان دعائه
عليه الصلوة والسلام للمسلمين كان
تعبدًا وتواضعًا لله تعالى اما كان
عليه الصلوة والسلام يعلم بانه على
الصراط المستقيم لقوله تعالى انك على
صراط مستقيم ومع ذلك يقرء فى صلوته
اهدنا الصراط المستقيم قال الله تعالى
عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا الا
من ارتضى من رسول وقال الله تعالى

ممنوعہ کس قسم میں داخل ہوں گے۔ اور منکرین علم غیب
ان احادیث کا کیا جواب دیں گے۔ جن میں نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب قبر۔ سوال ملائکہ۔ قبر
کی تنگی کی خبر دی ہے یا جن میں آپ نے قبل از وقوع
فتوحات اسلامیہ کی خبر دی ہے۔ یا آخر زمانہ کی خبریں
دی ہیں۔ حالانکہ سب کچھ اسی طرح پیش آیا ہے جیسا کہ
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا۔ اور اس کا کیا جواب
ہوگا جو آپ نے قتل کفار کے مقامات قتل جنگ بدر میں
بتائے تھے۔ چنانچہ وہیں وہ قتل ہوئے جہاں آپ نے
کہا تھا۔ کیا چارپائے اور دیوانے بھی ایسی خبریں دے
سکتے ہیں۔ میں نے خود اس آدمی سے سنا ہے جس
کے دل کو خدا نے اندھا کر دیا تھا کہتا تھا کہ اگر نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان کی فتح جانتے ہوتے اور بدر میں
قتل کفار کی خاص خاص جگہیں جانتے ہوتے تو مسلمانوں
کی فتح کے لئے اور قتل کفار کے واسطے سجدہ میں پڑ کر
دعا نہ کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ اس محروم العقل کو یہ معلوم
نہیں کہ حضور علیہ السلام کی دعا کرنا مسلمانوں کے حق
میں خدا کے سامنے تواضع اور اظہار خاکساری تھی۔
کیا آپکو یہ معلوم نہ تھا کہ آپ صراط مستقیم پر قائم ہیں۔
حالانکہ خدا نے بتا دیا ہوا تھا کہ آپ صراط مستقیم پر ہیں
تاہم آپ نماز میں یہ الفاظ دہرایا کرتے تھے کہ اھدنا
الصراط المستقیم۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ تمہارا خدا
عالم الغیب ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا
مگر اس رسول کو جسے وہ پسند کرے۔ پھر یہ بھی فرمایا

وما كان الله ليطلعكم على الغيب
ولكن الله يجتبي من رسله من يشاء
اما كان النبي صلى الله عليه وسلم
هو الرسول المرتضى والرسول المجتبى
فان قيل نعم دخل النبي صلى الله عليه
وسلم في الاستثناء في الآية الاولى
لانه هو الرسول المرتضى وفي مضمون
ولكن الله يجتبي من رسله من يشاء
لانه هو الرسول المجتبى وان قيل لا
نقول فمن الرسول المرتضى والمجتبى
الذي ذكره الله تعالى في الآيتين
المذكورتين والتحقيق في هذا المقام
ان جملة عالم الغيب تصح اطلاقها على
النبي صلى الله عليه وسلم باعتبار البعض
ولا تصح باعتبار البعض الآخر فان علم
بعض المغيبات كاخباره صلى الله عليه
وسلم باحوال عالم البرزخ من ضغطة
القبر وسوال الملكين وسعة القبر
سبعين ذراعا على المطيع وضيقه
على العاصي واخباره باحوال القيامة
من الوقوف والميزان والصراط والحوض
والشفاعة والجنة ونعيمها والنار وجحيمها
واخباره ببعض المغيبات الدنيوية كمواضع
قتل المشركين ببدر ورد كتاب حاطب بن

کہ خدا تو تم کو علم غیب پر مطلع کرنے کے قریب بھی نہیں
ہے لیکن اپنے رسولوں میں سے جس رسول کو چاہے انتخاب
کر لیتا ہے تو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برگزیدہ اور
منتخب شدہ رسول نہ تھے؟ اگر یوں کہا جائے کہ ہاں
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پہلی آیت کے استثناء میں داخل
ہیں۔ کیونکہ آپ برگزیدہ اور پسندیدہ رسول ہیں جس کا
ثبوت اس آیت میں ہے کہ لیکن اپنے رسولوں میں سے
اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے انتخاب کر لیتا ہے کیونکہ
آپ ہی رسول مجتبےٰ ہیں۔ اگر اس کا انکار کیا جائے تو
پھر ہم پوچھیں گے کہ پھر حضور علیہ السلام کے سوا ان
دونوں آیات میں کس رسول مجتبےٰ و مرتضےٰ کا ذکر ہے؟
اس مقام پر تحقیق یہ ہے کہ عالم الغیب کے فقرہ کا
استعمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صحیح ہے باعتبار بعض
علم غیب کے اور بعض علم غیب کے اعتبار سے صحیح نہیں
کیونکہ بعض مغیبات کا خبر دینا آپ سے بالکل صحیح
اور درست ہے مثلاً آپ کا عالم برزخ کے متعلق قبر کی
تنگی اور منکر نکیر کے سوالوں کی خبر دینا اور نیک بندے
کی قبر کا ستر گز تک وسیع ہونے اور بدکار پر تنگ ہونے
کی خبر دینا یا احوال قیامت میں خدا کے سامنے پیش ہونے
وزن اعمال۔ پلصراط۔ حوض کوثر۔ شفاعۃ جنت اور
اس کی نعمتیں اور دوزخ اور اس کی آگ کی خبر دینا یا
چند معاملات دنیاویہ سے خبر دینا مثلاً بدر میں مشرکین
کی قتل گاہیں بتانا یا حاطب بن بلتعہ کی چٹھی واپس
لینا جو اس نے پوشیدہ طور پر مشرکین کو لکھی تھی۔

بلتعة المكتوب الى قريش واخباره اباجهل
بما اخفاه فى يده من الحصاة واخباره
بقتل ملك الفرس صبيحة ليلة قتله و
اخباره بموت النجاشى وصلوة الجنازة
عليه فى المدينة واخباره بأكل الارضة
صحيفة المعاهدة لقريش المعلقة فى
جوف الكعبة واخباره بموت جعفر الطيار
ورفيقيه فى غزوة المؤتة واخباره
بالفتح على يد الخالد بن الوليد سيف الله
واخباره بفتح باب قلعة الخيبر على يد
على المرتضى واخباره بسم الشاة المسموم
التى اهدتها اليه اليهودية واخباره
بقتل على المرتضى ذا الثديين من الخارجين
واخباره بفتن اخر الزمان الى غير ذلك
من الاخبارات المغيبة كما لا يخفى على
من له ادنى ممارسة فى العلوم الاسلامية
فان قيل اخباراته بالمغيبات المذكورة
كان باعلام الله تعالى اياه قلنا
حصل المقصود ومتى قلنا ان اخباراته
بالمغيبات كانت من عند نفسه بغير
اعلام الله تعالى فاطلاق جملة عالم
الغيب عليه صلى الله عليه وسلم صحيح بهذا
الاعتبار فمن قال من المقلدين انه
عالم بجميع الغيوب او قال عالم

یا ابوجہل کو بتلانا کہ اس کی مٹھی میں کنکریاں ہیں۔ یا شاہ فارس کے قتل کی خبر دینا خاص اُسی صبح کو جبکہ مارا گیا تھا۔ یا موت نجاشی شاہ حبشہ کی خبر دینا۔ پھر مدینہ طیبہ میں اسپر غائبانہ جنازہ پڑھنا۔ یا یہ خبر دینا کہ دیمک اس کاغذ معاہدہ کو کھا گئی ہے جو قریش نے آپ کے خلاف لکھ کر بیت اللہ شریف میں آویزاں کیا تھا۔ یا حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دینا اور اس کے دو رفیقوں کی خبر دینا جنگ تبوک میں یا حضرت خالد سیف اللہ کے ہاتھ پر فتوحات کا حاصل ہونا۔ یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر قلعہ خیبر کا فتح ہونا یا بکری کے گوشت میں زہر ملانے کی خبر دینا جو یہودیوں نے آپ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا تھا۔ یا آپ کا خبر دینا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ذوالثدیین خارجی کو قتل کریں گے۔ یا اخیر زمانہ میں فتنوں کا پیدا ہونا۔ غرضیکہ اسی قسم کی غیبی خبریں کئی ایک اور بھی آپ نے دی ہیں جو اس شخص پر مخفی نہیں جو علوم اسلامیہ میں مہارت اور واقفیت رکھتا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ تو خدا کے بتانے سے آپ نے بتائی ہیں اس لئے یہ خبریں غیب نہیں بلکہ از قسم وحی ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ پھر بھی ہمارا دعویٰ ثابت ہوا کہ آپ عالم الغیب تھے اور جب یوں کہا جائے کہ خدا تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر کشف کے طور پر آپ نے یہ خبریں دی تھیں تو اس صورت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا صحیح ہوگا۔ جو مقلد یوں کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام تمام قسم کے غیب کو جانتے تھے

بما كان وما يكون فمراده من العلوم
العلوم التي تتعلق بالرسالة و
التبليغ وافحام المنكرين واحوال
الانبياء المتقدمين ونجاة اممهم
المطيعين وهلاك المنكرين واحوال
امته عليه الصلوة والسلام في آخر
الزمان وما يأتي عليهم من الفتن و
ما يجري عليهم من المحن حتى يدخل
اهل الجنة الجنة واهل النار النار نعم
العلوم التي لا يليق بها من الشعر والجفر
والرمل والسيمياء والكيمياء وغير
ذلك والعلوم التي لا تعلق لها بالرسالة
والنبوة والتبليغ كعلم
مثاقيل الجبال ومكاييل البحار و
قطرات الامطار واوراق الاشجار
الى غير ذلك من العلوم التي لا نعلم
اسمها ولا رسمها فذلك كله مختصة
بخالقها ومنشئها ومغنيها
فان قيل اذا ثبت انه صلى الله
عليه وسلم عالم ببعض
العلوم فما معنى اطلاق
جملة عالم الغيب عليه قلنا
ثبوت الصفة للشخص لا
يقتضي العلوم لتلك الصفة

یا یوں کہتے ہیں کہ آپ کو تمام ما کان و ما یکون کا علم
غیب تھا۔ تو ان کی مراد بھی وہی علوم غیبیہ ہیں۔ جو
تبلیغ رسالت اور منکرین کو لاجواب کرنے یا گذشتہ
انبیاء علیہم السلام کے حالات معلوم کرنے کے متعلق
ہیں یا ان کی مطیع امت کی نجات اور منکرین کی ہلاکت
کے متعلق ہیں۔ یا جو اُمت محمدیہ کے احوال سے تعلق
رکھتے ہیں جو اخیر زمانے میں پیش آئیں گے یا ان فتنوں
کی بابت ہیں جو امت محمدیہ پر آنے والے ہیں یا ان
تکالیف کے متعلق ہیں جو ان پر آئیں گی۔ یہاں تک کہ
اہل جنت جنت میں چلے جائیں گے اور اہل نار دوزخ
میں جا پہنچیں گے۔ مگر ہاں وہ علوم جو آپ کی شان کے شایاں
نہیں مثلاً علم شعر۔ جفر رمل سیمیا۔ کیمیا وغیرہ اور
وہ علوم کہ جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے قطعاً نہیں۔
مثلاً پہاڑوں کے وزن معلوم کرنا۔ سمندروں کے پانی
ماپنے کا علم یا بارش کے قطرات کی گنتی یا درختوں کے
پتوں کی گنتی اور اسی قسم کے اور علوم کہ جن کے نام
بھی ہم نہیں جانتے اور نہ ہی ہمیں ان کی تشریح
معلوم ہے۔ تو یہ سب قسم کے علوم خاص خدائے خالق سے
ہی تعلق رکھتے ہیں۔ جو ان کو پیدا اور فنا کرنے والا ہے
کسی انسان کا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ اگر کہا جائے
کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض غیبوں کے عالم
ہیں تو پھر عالم الغیب کے فقرہ کا آپ پر استعمال
کرنے کا کیا مطلب ہوگا۔ تو ہم جواب دیں گے کہ
کسی شخص کو کسی صفت سے موصوف کرنے کا یہ

بل يكفي في ذالك حصول بعض
افراد الصفة لذات الشخص
فانك اذا قلت زيد عالم
فليس المراد ان زيداً عالم
بجميع علوم العالم حلالها و
حرامها بل المتبادر من هذا القول
ان زيداً عالم بعلوم المروجة
المتداولة قال الله تعالى ان
الانسان ليطغى ان راه استغنى
اي بعض الانسان فان كثيرا
من الاغنياء كانوا عباد الله
الصالحين بل الانبياء والمرسلين
صلوات الله عليهم اجمعين ومن
المسئلة تلك المسائل مسئلة ايصال
ثواب الاعمال لارواح الاموات
قالوا حرام او ممنوع او لغو عبث
لا يضر ولا ينفع على اختلاف
آرائهم مستدلين بقوله تعالى
وان ليس للانسان الا ما سعى.
وفي هذه المسئلة اختلاف كثير بين
علماء الطرفين وذكر حججهم يطول
والعبد الضعيف مؤلف الرسالة
لما راى بيان الشيخ ابن[1] القيم الجوزية
الحنبلي في هذه المسئلة مشحونا

معنی نہیں ہوتا کہ اس صفت کے تمام اقسام بھی اس میں موجود ہوں۔ بلکہ اتنا ضروری ہوتا ہے کہ اس کے بعض حصے اس میں پائے جائیں کیونکہ جب یوں کہتے ہو کہ زید عالم ہے تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ زید تمام قسم کے علوم دنیاوی حلال حرام وغیرہ سب جانتا ہے۔ بلکہ بلا تکلف یہی ذہن میں آتا ہے کہ زید علوم مروجہ کا عالم ہے۔ جو روزمرہ استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح خدا کا قول ہے کہ انسان بیشک اپنی حد سے بڑھ جاتا ہے جبکہ وہ اپنے آپکو مستغنی دیکھتا ہے۔ اس سے مراد بھی بعض انسان ہیں ورنہ کئی ایک مالدار اللہ کے بندے ہو گذرے ہیں بلکہ مالدار انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والسلام بھی تھے۔ اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ ایصال ثواب کا بھی ہے۔ کہ مردوں کی روحوں کو اپنے اعمال کا ثواب پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ مخالف کہتے ہیں کہ حرام ہے یا ممنوع ہے یا بیفائدہ ہے جس میں نہ نفع ہے نہ نقصان۔ اس کے متعلق ان کے خیالات مختلف ہیں بہرحال مانعین کی دلیل یہ ہے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ انسان کے لئے اپنی ہی کمائی کام آئے گی۔ اس مسئلہ میں فریقین کے علماء کے درمیان بڑا اختلاف ہے جن کے دلائل کا ذکر کرنا طوالت ہوگا۔ مگر اس رسالہ کے مصنف عبد ضعیف نے جب شیخ ابن قیم جوزی حنبلی کا اس مسئلہ میں ایک مضمون دیکھا جس میں انصاف بھرا ہوا

(١) محمد ابن القيم الجوزية توفي سنة ٧٥١ هـ. [١٣٥٠ م.]

مسئلة وصول ثواب أعمال الاحياء الى الاموات

بالانصاف اخذ بيده استحسن المقابلة معهم باعتقاد الشيخ فيها لانه من اكابر مشايخهم في المذهب لعلهم يرجعون الى الحق وها انا اذكر ما قال الشيخ رحمه الله تعالى في كتاب الروح فقال واما المسئلة السادسة عشرة وهي هل تنتفع ارواح الموتى بشيء من سعي الاحياء ام لا فالجواب انها تنتفع من سعي الاحياء بامرين يجمع عليهما بين اهل السنة من الفقهاء واهل الحديث والتفسير احدهما ما تسبب اليه الميت في حياته والثاني دعاء المسلمين له واستغفارهم له والصدقة والحج على نزاع ما الذي يصل من ثوابه هل هو ثواب الانفاق او ثواب العمل فعند الجمهور يصل ثواب العمل نفسه وعند بعض الحنفية انما يصل ثواب الانفاق واختلفوا في العبادة البدنية كالصوم والصلوة وقراءة القرآن والذكر فمذهب الامام احمد وجمهور السلف وصولها وهو قول بعض اصحاب

تھا۔ تو میں نے وہی اختیار کر لیا اور یہی پسند کیا کہ شیخ موصوف کے عقیدہ کے ساتھ ان کا مقابلہ کر دوں، کیونکہ مسائل میں شیخ موصوف مخالفین کا ایک مسلّم بزرگ ہے۔ امید ہے کہ وہ بھی حق کی طرف رجوع کر لیں گے۔ چنانچہ میں شیخ صاحب موصوف رحمہ اللہ کا وہ اقتباس پیش کرتا ہوں جو آپ نے اپنی کتاب کتاب الروح میں درج کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ سولھواں مسئلہ یہ ہے کہ آیا مُردہ کی رُوح زندہ کے اعمال سے فائدہ اٹھا سکتی ہے یا نہیں؟ جواب یوں ہے کہ فائدہ اٹھا سکتی ہے دو طریق سے جن پر اہل سنّت کے فقہاء، اہلحدیث اور مفسرین کا اتفاق ہے۔ پہلا طریق یہ ہے کہ مُردہ اپنی زندگی میں اس عمل کا باعث بنا ہو۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ زندہ مسلمان اس کے حق میں دعا اور استغفار کریں یا صدقہ خیرات کریں یا حج کریں۔ گو اس میں یہ اختلاف ہے کہ مُردہ کو ثواب مال خرچ کرنے کا ملے گا یا اصل عمل کا ثواب ہوگا۔ جمہور اہل علم کے نزدیک خود نیک عمل کا ثواب ملتا ہے اور بعض حنفیہ کے نزدیک نیک عمل پر مال خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ پھر ان کا اس میں اختلاف ہے کہ بدنی عبادات مثلاً نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن اور ذکر الٰہی کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ تو امام احمد بن حنبل اور جمہور سلف کا یہ مذہب ہے کہ یہ بھی پہنچتا ہے

ابی حنیفۃ نص علی ہذہ الامام
احمد فی روایۃ محمد بن یحیی الکحال
قال قیل لابی عبد اللہ الرجل
یعمل الشیئ من الخیر من صلوۃ
او صدقۃ او غیر ذلک فیجعل
نصفہ لابیہ او لامہ قال ارجو
وقال المیت یصل الیہ کل شیئ
من صدقۃ او غیرہا وقال
ایضاً اقرء ایۃ الکرسی ثلاث
مرات وقل ہو اللہ احد وقل
اللہم ان فضلہ لاہل المقابر۔
فالدلیل علی انتفاعہ بما تسبب
الیہ فی حیاتہ ما رواہ مسلم فی
صحیحہ من حدیث ابی ہریرۃ
رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا مات
الانسان انقطع عنہ عملہ الا من
ثلاث الا من صدقۃ جاریۃ
او علم ینتفع بہ او ولد صالح
یدعو لہ فاستثناء ہذہ الثلث
من عملہ یدل علی انہا منہ فانہ
ہو الذی تسبب الیہا وفی سنن
ابن ماجہ من حدیث ابی
ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال

اور یہی قول حضرت امام اعظمؒ کے بعض شاگردوں
کا بھی ہے۔ اور اس فتوے پر محمد بن یحیی کحال
کی روایت میں یوں تصریح موجود ہے کہ امام احمدؒ
سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی کوئی نیک عمل
کرتا ہے مثلاً نماز۔ صدقہ۔ خیرات یا کوئی اور
نیک عمل اور اس کا نصف حصہ اپنے باپ یا
اپنی والدہ کے لئے مقرر کرتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے کہا
کہ مجھے اُمید ہے کہ وہ صحیح ہے پھر فرمایا کہ
میت کو ہر چیز (از قسم صدقہ وغیرہ) پہنچتی ہے
یہ بھی کہا کہ آیۃ الکرسی تین دفعہ اور قل ہو اللہ
احد ایک دفعہ پڑھ اور یوں دعا میں کہو کہ یا اللہ
اس کا ثواب اہلِ مقابر کو پہنچے۔ اس امر کا ثبوت
کہ جس نیک کام کا مُردہ خود باعث اپنی زندگی میں
بن چکا ہے اُس سے اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ
ہے کہ امام مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
سے ایک روایت لکھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ کہ انسان جب مرتا ہے
تو اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین قسم
کے عمل جاری رہتے ہیں۔ اوّل صدقہ جاریہ
دوم مفید علم سوم نیک اولاد جو اُس کے حق
میں دعا گو رہے۔ ان تین اعمال کا استثنا کرنا
اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ عمل بھی اسی میت کے
ہیں کیونکہ وہی ان کا باعث بنا ہے اور سنن ابن
ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم انما یلحق المومن من عملہ
وحسناتہ بعد موتہ علما علمہ ونشرہ
او ولدا صالحا ترکہ او مصحفا
ورثہ او مسجدا بناہ او بیتا
لابن السبیل بناہ او نہرا اکراہ
او صدقۃ اخرجہا من مالہ فی
صحتہ وحیاتہ تلحقہ بعد موتہ۔
انتہی مختصرا والدلیل علی
انتفاعہ بغیر ما تسبب فیہ
القرآن والسنۃ والاجماع و
قواعد الشرع اما القرآن
فقولہ تعالی والذین جاؤا
من بعدہم یقولون اغفرلنا
ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان
فاثنی اللہ سبحانہ علیہم
باستغفارہم للمؤمنین
قبلہم وقد دل علی انتفاع المیت
بالدعاء اجماع الامۃ علی
الدعاء لہ فی صلوۃ الجنازۃ
وفی السنن من حدیث ابی
ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ

یہ بھی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ مومن کے نیک اعمال میں سے
موت کے بعد اس کو یہ عمل پہنچتے ہیں۔ اول
جو اس نے پڑھایا اور پھیلایا۔ دوم نیک اولاد
جسے اپنا جانشین بنا گیا۔ سوم قرآن مجید جو ورثہ
میں چھوڑ گیا۔ چہارم مسجد جو اس نے بنائی۔ پنجم
سرائے جو مسافروں کے لئے تیار کی۔ ششم نہر
جو اس نے کھدوائی۔ ہفتم صدقہ جو اپنی زندگی میں
بحالت صحت الگ کر چکا ہے۔ یہ موت کے بعد
اسے پہنچے گا (مختصر طور پر یہ مضمون ختم ہوا) اور
یہ امر کہ جس چیز کا باعث وہ مردہ نہیں بنا۔ اس کا
ثواب یا نفع بھی اسے پہنچتا ہے تو اس کا ثبوت
قرآن، حدیث، اجماع اور اصول شرع سے ملتا
ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ جو مسلمان پہلے
مسلمانوں کے بعد دنیا میں آئے ہیں وہ کہتے ہیں
کہ یا اللہ ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو
بھی بخش، جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں دیکھو
خداتعالے نے ان مسلمانوں کی تعریف کی ہے۔ جو
اپنے پہلوں کے لئے مغفرت مانگتے ہیں، اور اجماع
امت محمدیہ سے ثابت ہے کہ نماز جنازہ میں میت کے
لئے دعا کرنے سے اسے فائدہ پہنچتا ہے۔ اور کتب
حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک
روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
کہ جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو خلوص دل

فصل

الدعاء وفی صحیح مسلم من حدیث
عوف بن مالک قال صلی اللہ علیہ
وسلم علی جنازۃ فحفظت من
دعائہ وھو یقول اللھم اغفرہ
وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم
نزلہ واوسع مدخلہ الی آخر الحدیث
انتھی مختصرا **فصل** واما وصول
ثواب الصدقۃ ففی الصحیحین
عن عائشۃ رضی اللہ عنھا ان
رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ
وسلم فقال یا رسول اللہ ان امی
افتلتت نفسھا ولم توص واظنھا
لو تکلمت تصدقت أفلھا اجر
ان تصدقت عنھا قال نعم
وفی صحیح البخاری عن
عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھما
ان سعد بن عبادۃ توفیت أمہ
وھو غائب عنھا فاتی النبی صلی
اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان امی
توفیت وانا غائب عنھا فھل ینفعھا
ان تصدقت عنھا قال نعم قال
فانی اشھدک ان حائطی المخراف
صدقۃ عنھا [2] وفی السنن و

سے اس کیلئے دعا کرو اور صحیح مسلم میں عوف بن
مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم
نے ایک جنازہ پڑھا۔ اس میں آپ نے میت کے لئے
جو دعا فرمائی تھی میں نے "یاد کر لی چنانچہ آپ فرماتے
تھے کہ یا اللہ اسے بخشدے اور اس پر رحم کر اور
اسے سلامتی دے۔ اس کے قصور معاف کر اپنے
پاس عزت و آبرو کے ساتھ اسے فروکش کر اور اپنی
بارگاہ میں اس کا داخلہ وسیع کر (انتہی) (**فصل**)
صدقہ کا ثواب پہنچنا اس حدیث سے ثابت ہے
جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیحین میں مروی
ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک آدمی حاضر
ہوا اور کہا کہ میری ماں مر گئی ہے اور وصیت نہیں
کر سکی۔ مجھے خیال ہے کہ اگر بول سکتی تو ضرور صدقہ
کرتی۔ تو کیا میں اگر صدقہ کردوں تو اس کو ثواب ملیگا
تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ضرور ملیگا۔ صحیح بخاری میں
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے
روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی ماں مر گئی اور
وہ غیر حاضر تھا۔ پھر وہ حضور علیہ السلام کے پاس
آیا اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ میری ماں میری
غیر حاضری میں مر گئی ہے تو اگر میں اس کی
طرف سے وکیل بنکر صدقہ کردوں تو کیا اسے
کچھ فائدہ ہوگا۔ تو آپ نے فرمایا ہاں فائدہ
ہوگا۔ پھر سعد نے کہا کہ آپ گواہ رہیں کہ میرا مخراف
باغ اس کی طرف سے صدقہ ہے اور یہی حدیث

[2] صلی رسول اللہ

مسند احمد عن سعد بن عبادة
انه قال یا رسول الله ان ام سعد
ماتت فای الصدقة افضل
قال الماء فحفر بیرا وقال هذه
لام سعد - انتهی **فصل** واما
وصول ثواب الصوم
ففی الصحیحین عن عائشة
ان رسول الله صلی الله علیه
وسلم قال من مات وعلیه
صیام صام عنه ولیه وفی
الصحیحین ایضا عن ابن عباس
رضی الله عنهما قال جاء رجل
الی النبی صلی الله علیه وسلم
فقال یا رسول الله امی ماتت
وعلیها صوم شهر افاقضیه
عنها قال نعم وفی روایة
جاءت امراة الی رسول الله
صلی الله علیه وسلم فقالت
یا رسول الله ان امی ماتت
وعلیها صوم نذر افاصوم
عنها قال ارأیت لو کان
علی امك دین فقضیته اکان
یؤدی ذلك عنها قالت نعم
قال فصومی عن امك وهذا

میں نقل ہے اور مسند احمد میں بھی سعد بن عبادہ سے
روایت ہے کہ اس نے کہا کہ میری ماں ام سعد مرگئی
ہے تو آپ فرمائیے کہ کس قسم کی خیرات اس کی طرف
سے افضل ہوگی تو آپ نے فرمایا کہ پانی کی خیرات
افضل ہے۔ پھر اس نے ایک کنواں بنوایا اور | فصل
کہا کہ یہ کنواں میری ماں ام سعد کا ہے (انتہی)
(فصل) رہا روزہ کا ثواب پہنچانا تو اس کے
متعلق بھی صحیحین میں روایت ہے حضرت عائشہ
سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو
مرجائے اور اس کے ذمہ پر روزے باقی ہوں
تو اس کا وارث اس کی طرف سے روزے رکھے
اور یہ بھی صحیحین میں ہی روایت ہے کہ ایک آدمی
حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری
ماں مرگئی ہے اور اس کے ذمہ ایک ماہ کے روزے
باقی ہیں تو کیا میں اس کی طرف سے قضا کروں
تو آپ نے فرمایا ہاں قضا کرو ایک روایت میں ہے
کہ ایک عورت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی
اور کہنے لگی کہ میری ماں مرگئی ہے اور اس کے ذمہ
پر نذر کے روزے باقی ہیں تو کیا اس کی طرف سے
میں روزے رکھوں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم یہ خیال
کرو کہ اگر اس کے ذمہ پر قرضہ ہوتا تو تو اسے ضرور ادا
کرتی۔ تو کیا وہ اس کی طرف سے ادا ہوجاتا یا
نہ ہوتا۔ کہنے لگی ہاں وہ تو ادا ہوجاتا۔ تو پھر
آپ نے فرمایا کہ تو اس کی طرف سے روزے بھی

اللفظ للبخاری وحدہ تعلیقا
انتہی مختصرا۔ **فصل** واما فصل
وصول ثواب الحج ففی صحیح
البخاری عن ابن عباس
رضی اللہ عنہما ان امراۃ من
جہینۃ جاءت الی النبی صلی اللہ
علیہ وسلم فقالت ان امی نذرت
ان تحج فلم تحج حتی ماتت
افاحج عنہا قال حجی عنہا ارایت
لو کان علی امک دین اکنت
قاضیۃ اقضوا اللہ فاللہ
احق بالقضاء وروی ایضا
عن ابن عباس رضی اللہ عنہما
ان امراۃ سالت النبی صلی اللہ
علیہ وسلم عن ابنہا مات ولم
یحج قال حجی عن ابنک انتہی مختصرا
ثم قال الشیخ واجمع المسلمون
علی ان قضاء الدین یسقطہ
من ذمتہ ولو کان من اجنبی
او من غیر ترکتہ وقد دل علیہ
حدیث قتادۃ حیث ضمن
الدینارین عن المیت فلما قضا
ہما قال لہ النبی صلی اللہ علیہ
وسلم الآن بردت علیہ جلدتہ

رکھ (یہ لفظ بطور تعلیق کے صرف بخاری میں ہیں) (انتہی)
(**فصل**) رہا ثواب حج کا پہنچنا۔ تو اس کے متعلق
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت صحیحین
میں موجود ہے کہ قبیلہ جُہَینہ کی ایک عورت نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی
کہ میری ماں نے نذر مانی تھی کہ حج کرونگی مگر وہ حج
نہیں کرسکی اور مرگئی تو کیا میں اس کی طرف سے حج
کروں؟ آپؐ نے فرمایا۔ اس کی طرف سے حج کر۔ پھر
فرمایا کہ تم خود سمجھو کہ اگر تیری ماں پر قرضہ ہوتا تو تُو
اس کی طرف سے ضرور ادا کرتی۔ اس لئے خدا کا قرضہ
بھی ادا کرو۔ کیونکہ اس کا قرضہ ادا کرنا تو سب سے زیادہ
ضروری ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی روایت
ہے کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
سوال کیا تھا اپنے بیٹے کے متعلق کہ وہ مرگیا ہے
اور حج نہیں کرسکا۔ تو آپؐ نے فرمایا تو پھر تم اس
کی طرف سے حج کرو (انتہی مختصراً) اس کے بعد شیخ
موصوف فرماتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا اس امر پر
اجماع اور اتفاق ہے کہ میت کا قرضہ بعد میں ادا
کرنے سے ساقط ہوجاتا ہے۔ اگرچہ ادا کرنے والا
کوئی بیگانہ ہو یا اس کے مال متروکہ سے بھی ادا نہ
کیا جائے۔ اور حدیث قتادہؓ کی اس کا ثبوت دیتی
ہے کہ اس نے ایک میت کی طرف سے دو دیناروں کی
ضمانت دی تھی اور جب ادا کردیئے تو حضور علیہ السلام
نے فرمایا کہ اب تو نے اس کے جسم کو ٹھنڈا کیا ہے اب

وأما قراءة القرآن فقال الشيخ
في اول كتاب الروح في المسألة
الاولى وقد ذكر عن جماعة من السلف
انهم اوصوا ان يقرأ عند قبورهم
وقت الدفن قال عبد الحق يروى
ان عبد الله بن عمر أمر ان يقرأ
عند قبره سورة البقرة وممن
رأى ذلك المعلى بن عبد الرحمن
وكان الامام احمد ينكر ذلك
اولا حيث لم يبلغه فيه اثر
ثم رجع عن ذلك وقال
الخلال[1] في الجامع كتاب القراءة
عند القبور اخبرنا العباس
بن محمد الدوري ثنا يحيى
بن معين ثنا مبشر الحلبي
حدثني عبد الرحمن بن
العلاء بن اللجلاج عن ابيه
قال قال ابي اذا انا مت
فضعني في اللحد وقل بسم الله
وعلى سنة رسول الله وسن
علي التراب سنا واقرأ عند رأسي
بفاتحة البقرة وخاتمتها فاني سمعت
عبد الله بن عمر يقول ذلك انتهى
مختصرا ثم قال الشيخ بعد ايراد

رہی تلاوتِ قرآن، تو اس کے متعلق بھی شیخ موصوف
نے اپنی تصنیف کتاب الروح کے آغاز میں مسئلہ
اولیٰ کہہ کر بیان کیا ہے کہ سلف صالحین کی
ایک جماعت سے روایت ہے کہ انہوں نے
مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ دفن کے وقت
ان کے پاس قرآن شریف پڑھا جائے۔ شیخ
عبد الحق کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رض سے
روایت ہے کہ آپ نے حکم دیا تھا کہ میری قبر کے
پاس سورۂ بقر پڑھی جائے اور مجوزین میں سے
ایک حضرت علی بن عبد الرحمن بھی ہیں اور حضرت احمد
بن حنبلؒ جب تک کہ آپکو کسی صحابی کا عمل معلوم
نہ تھا۔ اس کے منکر تھے۔ پھر آپ نے رجوع کر لیا
اور جناب خلال اپنی جامع میں بہ عنوان دیگر
کہ قبر کے پاس تلاوتِ قرآن جائز ہے لکھتے ہیں
کہ عباس بن محمد دوری نے ہمیں بتایا تھا کہ یحییٰ بن
معین نے ہمیں بتایا تھا کہ معشر حلبی نے کہا ہے
کہ عبد الرحمن بن علاء بن حلاج اپنے باپ سے
روایت کرتا ہے کہ میرے باپ نے کہا تھا کہ جب
میں مر جاؤں تو مجھے لحد میں رکھتے ہوئے یوں کہو
بسم اللہ علی سنت رسول اللہ۔ پھر مجھ پر مٹی ڈالتے
جانا اور میرے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی اور
آخری آیات پڑھنا کیونکہ میں نے حضرت عبد اللہ
بن عمر سے سنا ہوا ہے کہ آپ یوں کہا کرتے تھے
(انتہی مختصراً) اس کے بعد کہ شیخ موصوف عقلی

(١) ابو بكر احمد خلال البغدادي الحنبلي توفي سنة ٣١١ هـ. [٩٢٣ م.]

الادلة العقلية والنقلية و
هذه النصوص متظاهرة على
وصول ثواب الاعمال الى الميت
اذا فعله الحي عنه وهذا
محض القياس فان الثواب
حق العامل فاذا وهبه لاخيه
المسلم لم يمنع من ذلك
كما لم يمنع من هبة ماله
في حياته وابرائه له منه بعد موته
وقد نبه النبي صلى الله عليه
وسلم بوصول ثواب الصوم
الذى هو مجرد ترك ونية
تقوم بالقلب لا يطلع عليه
الا الله وليس بعمل الجوارح
وعلى وصول ثواب القراءة
التي هي عمل باللسان تسمعه
الاذن وتراه العين بطريق
الاولى. ويوضحه ان الصوم نية
محضة وكف النفس عن المفطرات
وقد اوصل الله ثوابه الى الميت
فكيف بالقراءة التي هي عمل و
نية بل لا تفتقر الى النية فوصول
ثواب الصوم الى الميت فيه تنبيه
على وصول سائر الاعمال

اور نقلی دلائل دے چکے ہیں. فرماتے ہیں کہ یہ تصریحات
اس امر پر متفق ہیں کہ جب زندہ میت کی طرف سے
کوئی عمل کرتا ہے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے
اور عقل کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ گو ثواب عمل کرنے
والے کا حق ہے مگر جب وہ اپنے مسلم بھائی کو
بخش دیتا ہے تو کوئی مانعت نہیں ہوتی جسطرح
کہ اس امر کی مانعت نہیں کہ اسکی زندگی میں
اپنا کچھ مال بخشدے یا اسکی موت کے بعد اسکو مال کی
ادائیگی سے بری الذمہ کردے. خود رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبردار کر دیا ہے کہ روزہ
کا ثواب میت کو پہنچتا ہے حالانکہ وہ روزہ صرف
ترک اکل وشرب اور نیت کا نام ہے اور نیت کا تعلق
صرف دل سے ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی
مطلع نہیں ہوتا اور یہ روزہ کوئی محسوس قسم کا عمل
نہیں اور آنحضرت علیہ السلام نے یہ بھی بتا دیا ہے
کہ قرأۃ قرآن کا ثواب بھی بطریق اولے پہنچتا ہے
جو زبان کا عمل ہے اور اسے کان سنتے ہیں اور آنکھ
دیکھتی ہے. اس کی وضاحت یہ ہے کہ روزہ صرف نیت
ہے اور روزہ شکن امور سے اپنے نفس کو روکنے کا نام
ہے. اور خدا اسکا ثواب میت کو پہنچا دیتا ہے تو
بھلا قرأۃ قرآن کا ثواب کیوں نہ پہنچے گا جو عمل اور
نیت سے مرکب ہے بلکہ اس میں نیت کی بھی ضرورت
نہیں ہوتی پس میت کو روزہ کے ثواب کے پہنچنے
میں اس امر کا اشارہ ہے کہ باقی اعمال کا ثواب بھی

والعبادات قسمان مالية و بدنية وقد نبّه الشارع بوصول ثواب الصدقة على وصول ثواب سائر العبادات المالية و نبّه بوصول ثواب الصوم على وصول ثواب سائر العبادات البدنية و اخبر بوصول ثواب الحج المركب من المالية و البدنية فالانواع الثلثة ثابتة بالنص والاعتبار وبالله التوفيق۔

ثم قال الشيخ قال المانعون قال الله تعالى وان ليس للانسان الا ما سعى وقال لا تجزون الا ما كنتم تعملون وقال لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت وقد ثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال اذا مات العبد انقطع عمله الا من ثلاث صدقة جارية او ولد صالح يدعو له او علم ينتفع به من بعده فاخبر انه انما ينتفع بما كان تسبّب اليه في الحيوة وما لم يكن قد تسبّب فهو منقطع عنه

میت کو پہنچتا ہے۔ اب عبادات دو قسم ہیں مالی اور بدنی اور تیسری ان کے مرکب کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے ثواب صدقہ کے پہونچنے میں باقی عبادات مالیہ کے پہنچنے پر اشارہ کر دیا ہے اور روزہ کے ثواب پہنچنے میں آپ نے اشارہ کیا ہے کہ تمام عبادات بدنیہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ اور آپ نے حج کے ثواب پہنچنے کی بھی خبر دی ہے جو عبادت مالی اور بدنی سے مرکب ہے۔ پس تینوں قسم کا ایصال ثواب نص اور قیاس شرعی سے ثابت ہو گیا وباللہ التوفیق۔

پھر شیخ موصوف لکھتے ہیں کہ مخالفین کی دلیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے کمایا اور یہ بھی فرمایا کہ تم کو اسی کا بدلہ ملیگا جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ پھر فرمایا کہ انسانی نفس کے لئے وہ نیک عمل کام آئیگا جو اس نے کمایا ہوگا۔ اور اس پر اس بدعملی کا بوجھ پڑیگا جو نفس پروری کے لئے اس نے کمائی ہوگی اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان مرتا ہے تو اس کے عمل بند ہو جاتے ہیں۔ سوائے تین صورت کے کہ صدقہ جاریہ ہو جو اس کے نام پر چلتا رہے یا اولاد نیک ہو جو اُسے نیک دعا دے یا مفید تعلیم ہو جس سے اس کے بعد لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ بہرحال حضور علیہ السلام نے وہ اعمال نافعہ بتائے ہیں کہ جن میں بحالت حیات خود انسان کی اپنی کوشش کا کچھ دخل ہو اور جنہیں اس کا کچھ دخل نہیں۔ وہ عمل

ثم ذكر الشيخ دلائل عقيدتهم
واعتراضاتهم على المجوزين
وقال اصحاب الوصول ليس
في شيئ مما ذكرتم مايعارض
ادلة الكتاب والسنة واتفاق
سلف الامة ومقتضى قواعد
الشرع اما قوله تعالى وان
ليس للانسان الا ما سعى
فقد اختلفت طرق الناس
في المراد بالاية فقالت طائفة
المراد بالانسان ههنا الكافر
واما المؤمن فله ما سعى
وما سعي له وقالت طائفة
الاية اخبار شرع من قبلنا
وقد دل شرعنا على ان له
ما سعى وما سعي له وقالت
طائفة اللام بمعنى على اى و
ليس على الانسان الا ما سعى
وقالت طائفة في الكلام حذف
تقديره وان ليس للانسان
الا ما سعى او سعي له وقالت
طائفة اخرى الاية منسوخة بقوله
تعالى والذين امنوا واتبعتهم
ذريتهم بالايمان الحقنا بهم ذريتهم

ضرور بند کئے جائینگے۔ اس کے بعد شیخ موصوف
نے انکے عقائد کے دلائل بیان کئے ہیں اور مجوزین
ایصالِ ثواب پر انکے اعتراضات لکھے ہیں۔ پھر جو
ایصالِ ثواب کے قائل ہیں انہوں نے مخالفین کو
یوں خطاب کیا ہے کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے۔ اس
میں ایک دلیل بھی ایسی نہیں جو ہماری تحقیق کے مخالف
ہو جو ہم نے کتاب وسنا اور اجماع سلف صالحین اور
نتائج قیاس شرعیہ سے پیش کی ہے کیونکہ یہ آیت کہ
لیس للانسان الا ما سعی مفسرین کے درمیان
مختلف فیہ ہے کہ اس انسان سے کیا مراد ہے۔ ایک
جماعت کا قول ہے کہ اس سے مراد کافر انسان ہے اور
مومن انسان کیلئے اس کی اپنی کمائی بھی مفید ہے اور
وہ کمائی بھی مفید ہے جو غیر کی طرف سے اس کیلئے
کی جائے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ ایک جماعت کی رائے
ہے کہ یہ آیت پہلی شریعتوں کی خبر دیتی ہے۔ ورنہ
ہماری شریعت میں تو اپنی اور غیر کی کمائی دونوں ثابت
ہیں۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ لام بمعنی علی ہے اور اس
کا یہ معنی ہے کہ انسان کا نقصان اسی کی کمائی سے ہوگا
غیر کی بدعملی سے اسے نقصان نہیں پہنچیگا۔ ایک فریق
کا خیال ہے کہ اس مقام پر (او سُعِیَ لَہٗ) مقدر ہے
تو اصل آیت یوں ہوگی کہ لیس للانسان الا ما سعی
او سُعِیَ لَہٗ ایک فریق کہتا ہے کہ یہ آیت ہی منسوخ ہے
اس آیت سے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انکی اولاد
ایمان لانے میں انکی تابع ہے تو ہم انکی اولاد کو ان میں ہی

وهذا منقول عن ابن عباس رضي الله عنهما وقالت طائفة اخرى المراد بالانسان الحي دون الميت. قال الشيخ رحمه الله تعالى وهذه التاويلات كلها من سوء التصرف في اللفظ العام. ولم يرض به الشيخ ثم قال و قالت طائفة اخرى وهو جواب ابي الوفاء[1] بن عقيل قال الجواب الجيد عندي ان يقال الانسان بسعيه وحسن عشيرته اكتسب الاصدقاء واولد الاولاد ونكح الازواج واسدى الخير وتوددوا الى الناس فترحموا عليه واهدوا له العبادات وكان ذلك اثر سعيه كما قال صلى الله عليه وسلم ان اطيب ما اكله من كسبه وان ولده من كسبه. وهذا جواب متوسط يحتاج الى تمام فان العبد بايمانه وطاعته لله ورسوله قد سعى في انتفاعه بعمل اخوان المؤمنين مع عمله كما ينتفع بعملهم في الحيوة مع عمله فان المؤمنين ينتفع بعضهم بعمل بعض في الاعمال التي يشتركون فيها كالصلوة في جماعة ثم قال فدخل المسلم مع

شامل کر دیئے گئے اور یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ اس سے مراد زندہ انسان ہے، مُردہ انسان مراد نہیں۔ شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ یہ تمام تاویلیں آیت کے عام لفظ کو بری طرح بگاڑتی ہیں اسلئے ہم انکو پسند نہیں کرتے۔ پھر ایک اور جماعت کا قول نقل کرکے فرماتے ہیں کہ یہ جواب ابوالوفا بن عقیل کی طرف سے دیا گیا ہے چنانچہ اس نے کہا ہے کہ بہتر جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ انسان اپنی کوشش سے اور اپنی قوم کے نیک سلوک سے دوست پیدا کر لیتا ہے بچے پیدا کرتا ہے۔ بیوی سے نکاح کرتا ہے۔ غیر سے بھلائی کرتا ہے۔ اور لوگوں سے دوستانہ گانٹھتا ہے تو لوگ اسپر رحم کرتے ہیں اور عبادات کا تحفہ دیتے ہیں تو یہ سب اسی کی کوشش کا نتیجہ ہوگا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ انسان کی بہتر خوراک وہ ہے جو اپنی کمائی سے کھائے۔ اس کی اولاد بھی اسی کی کمائی ہے مگر یہ جواب نامکمل ہے اس لئے اسے تکمیل کی ضرورت ابھی باقی ہے۔ کیونکہ انسان اپنے ایمان سے اور خدا و رسول کی اطاعت سے اپنے عمل کے علاوہ اپنے مسلم بھائیوں کے عمل سے بھی فائدہ اٹھانے میں کوشش کرتا ہے جیسا کہ زندگی میں اپنے عمل کے ہوتے ہوئے انکے عمل سے فائدہ اٹھاتا ہے کیونکہ مسلمان ایک دوسرے کے ایسے عمل سے فائدہ اٹھایا کرتے ہیں جس میں ملکر شریک کار ہوں جیسے باجماعت نماز ادا کرنا وغیرہ۔ پھر شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ مومن کا مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہونا اور ان سے برادری

(١) ابوالوفاء علي بن عقيل الحنبلي توفي سنة ٥١٣ هـ. [١١١٩ م.] في بغداد

جملة المسلمين في عقد الاسلام من اعظم
الأسباب في وصول نفع كل من المسلمين
الى صاحبه في الحيوة وبعد
مماته ثم قال فالعبد بايمانه
قد تسبب الى وصول هذا الدعاء
اليه فكانه من سعيه يوضحه
ان الله سبحانه جعل الاعادة
سببا لانتفاع صاحبه بدعاء
اخوانه من المومنين وسعيهم
فاذا اتى به فقد سعى في السبب
الذي يوصل اليه ذلك وقد
دل على ذلك قول النبي
صلى الله عليه وسلم لعمرو
بن العاص[1] ان اباك لو اقر
بالتوحيد نفعه ذلك
يعني العتق الذي فعل عنه
بعد موته فلو اتى بالسبب
لكان قد سعى في عمل يوصل
اليه ثواب العتق وهذه
طريقة لطيفة حسنة جدا
انتهى ماذكره الشيخ ابن القيم
الجوزية رح في كتاب الروح
في المسئلة السادسة عشر
بالاختصار قال العبد الضعيف

کا معاہدہ قائم کرنا ہی ایک بڑا سبب ہے اس امر کا
کہ ہر ایک مسلم کو اپنے بھائی کی طرف سے فائدہ پہنچے
زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔ پھر شیخ فرماتے
ہیں کہ انسان اپنے ایمان کی وجہ سے اپنے حق میں
دعائے خیر لینے کا باعث ہوتا ہے تو گویا یہ دعا بھی
اسی کی کوشش ہے۔ اس کی وضاحت اس سے
ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالے نے عبادت کو اس
امر کا سبب بنایا ہے کہ وہ عابد اپنے مسلم بھائیوں
کی دعا اور سعی سے فائدہ اٹھائے تو انسان جب
عبادت کرتا ہے تو وہ گویا اس سبب کے پیدا کرنے میں
کوشش کرتا ہے جس کے طفیل سے وہ فائدہ اسے
پہنچایا جاتا ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا
فرمان بھی دلالت کرتا ہے جو آپ نے عمرو بن عاص
کو فرمایا تھا جبکہ اسکا باپ بحالت کفر مرگیا اور
اس نے اسکی طرف سے ایک غلام آزاد کیا کہ اگر وہ
توحید کا قائل ہوجاتا تو یہ غلام آزاد کرنا اسے مفید
پڑتا جو اس کی موت کے بعد اسکی طرف سے آزاد کیا
گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر وہ سبب پیدا کرتا تو گویا
یوں سمجھا جاتا کہ وہ ایسا کام کرتا تھا جو اسکو غلام
آزاد کرنے کا ثواب پہنچا دیتا۔ یہ طریق جواب بہت
لطیف اور خوب ہے۔ اب وہ تمام مضمون مختصر طور
پر یہاں ختم ہوگیا ہے جو شیخ ابن قیم جوزی نے
اپنی تصنیف کتاب الروح کے سولھویں مسئلہ میں
درج کیا ہے۔ اب عبد ضعیف (مولف رسالہ ہذا)

(١) عمرو بن العاص توفي سنة ٤٣ هـ. [٦٦٣ م.] في مصر

مسئلة بشرية سيدنا محمد عليه السلام

ان قلت لاحد ليس لك من
الدنيا الا ما تملكه وجاء احدٌ
واعطاه مالا كثيرًا فلا يعارض
ما حصل له قولك ليس لك
من الدنيا الا ما تملكه انتهى. و
من تلك المسائل مسئلة البشرية
لسيدنا رسول الله صلى الله
عليه وسلم فقال قوم من اطلق
البشرية على النبي صلى الله عليه
وسلم فقد كفر لان في هذا
الاطلاق توهين للرسول والكفار
كانوا يقولون انما انت بشر وقال
قوم هو بشر مثلنا لان الله تعالى
امره بقوله قل انما انا بشر مثلكم
ومنزلته عندنا بمنزلة الاخ
الاكبر وليت شعري باي وجه سموه
الاخ الاكبر ان كان مرادهم بالاكبرية
المتقدم في الزمان فقط فابو اللهب[1] احق
باخوتهم لاتفاقهم معه في تحقير النبي
صلى الله عليه وسلم وان كانت الاكبرية
بالرتبة والتقرب الى الله تعالى فاى
مناسبة لهم به صلى الله عليه وسلم وان
كان مرادهم اخوة الاسلام فما معنى الاكبر
فانما المؤمنون اخوة ووقع الطائفتان

کہنا ہے کہ اگر تم کسی سے یوں کہدو کہ تیرے پاس
تو صرف دنیاوی مال وہی ہے جس کے تم اب مالک
ہو۔ مگر کسی نے آکر اسکے بعد اسے بہت مال دیدیا
تو اس واقعہ سے تمہارا وہ پہلا کہنا غلط نہ ہوگا
کہ تم صرف اتنے مال کے ہی مالک ہو۔ جواب تمہارے
پاس ہے (انتہی) متنازع فیہ مسائل میں سے ایک
مسئلہ بشریت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے
ایک جماعت کا قول ہے کہ جو شخص آپ پر بشر کا لفظ
استعمال کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ اسمیں حضور
علیہ السلام کی توہین ہوتی ہے کیونکہ کافر ہتک کرتے ہوئے
یہ لفظ کہا کرتے تھے کہ تم آخر بشر ہی ہو۔ ایک فریق کا قول
ہے کہ آپ ہمارے جیسے ہی بشر تھے کیونکہ آپکو خدا نے حکم
دیا ہے کہ آپ کہدیں کہ میں تو تمہارے جیسا ہی انسان ہوں
اور ہمارے نزدیک آپ کا مرتبہ بڑے بھائی کے برابر ہے
مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ کس وجہ سے ان لوگوں نے رسول
کو بڑا بھائی بنا ہے کیونکہ اگر اس بڑائی سے مراد پہلے زمانہ
میں ہونا مراد ہے تو ابولہب کو زیادہ مستحق ہے کہ انکا بھائی
بن جائے کیونکہ وہ نبی علیہ السلام کی توہین پہلے زمانہ میں
ان سے متفق ہو گیا ہے، اور اگر بڑائی سے مراد مرتبہ کی بڑائی
ہے یا قرب الہی کی بڑائی مراد ہے تو ان کو حضور علیہ السلام سے
کوئی بھی تناسب حاصل نہیں ہے اور اگر ان کی مراد اسلامی
برادری ہے تو پھر بڑا بھائی کہنے سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ
تمام مؤمنین چھوٹے بڑے یکساں بھائی ہیں۔ بہرحال دونوں
فریق افراط و تفریط میں پڑے ہوئے ہیں۔ حق بات یہ ہے کہ

(١) ابو اللهب الخبيث عم النبي ﷺ وعدوه مات بعد غزوة بدر ثمانية ايام زوجته ام جميلة كانت

فی الافراط والتفریط والحق الحق فی المسئلۃ
تفصیل فالبشر اسم لاولاد آدم علیہ السلام
بمعنی الانسان وسماہ اللہ تعالیٰ بشرا فقال
تعالیٰ انی خالق بشرا من طین والنبی صلی اللہ
علیہ وسلم سید اولاد آدم فاذا کان الاب
بشرا لابد ان یکون الولد بشرا لکن البشر لہ
صفات وخصوصیات ان ارتقی الی
درجات القرب کان افضل من الملئکۃ
وان نزل الی درکات البعد کان ارذل
من الشیاطین فالانبیاء علیہم الصلوۃ
والسلام عموما وسیدنا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم بالخصوص ارتقی بفضل اللہ و
رحمتہ الی اقصی درجات القرب والتمکین
حتی کان فی مقام قاب قوسین او ادنی
لان فضل اللہ کان علیہ عظیما ومع ذلک
القرب ھو بشر وانسان بقی الکلام فی المثلیۃ
الواردۃ فی القرآن فالمثلیۃ ثابتۃ لاشتراک
الناس معنی ماھیۃ البشریۃ والانسانیۃ
لا فی خصوصیاتھا وصفاتھا ویکفی فی
المثلیۃ الاشتراک فی الصفۃ الواحدۃ و
لا یلزم الاشتراک فی جمیع الصفات فانک
اذا قلت زید مثل الاسد فمقصودک
اشتراک الزید مع الاسد فی صفۃ الشجاعۃ
فقط لا فی جمیع صفات الاسد لانہ سبع والزید

اس مسئلہ کی تشریح یوں کی جائے کہ بشر اولاد آدم علیہ السلام
کا نام ہے جس کے معنے انسان ہے۔ خدا نے آدم کو بھی بشر کہا
ہے۔ چنانچہ خدا نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں مٹی سے ایک بشر
پیدا کروں گا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی آدم علیہ السلام
کی ہی اولاد میں اور جب باپ بشر ہے تو بیٹا بھی ضرور بشر ہی
ہوگا مگر اس کے علاوہ بشر کے اور اوصاف اور خاصیتیں بھی
ہیں جن کی وجہ سے وہ قرب الٰہی تک پہنچتا ہے اگر وہ یہاں
پہنچ گیا تو فرشتوں سے بھی افضل ہوگا اور اگر بارگاہ الٰہی سے
دوری کے گڑھوں میں گر گیا تو شیطان سے بھی زیادہ رذیل
ہوگا تو انبیاء علیہم السلام عموماً اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم خصوصاً خدا کے فضل و کرم سے قرب الٰہی کے اعلیٰ درجات
پر پہنچ چکے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ تو قاب قوسین او ادنیٰ
کے مقام تک پہنچے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خدا کا فضل آپ پر بے حد تھا
باوجود اس قرب الٰہی کے پھر بھی آپ بشر اور انسان ہی
ہیں۔ اب یہ بحث باقی ہے کہ قرآن شریف میں جو مثلکم آتا ہے
اس سے کیا مراد ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی حقیقت
میں اشتراک کی وجہ سے آپ کو دوسروں سے مساوات حاصل
ہے مگر بشر کی خصوصیات اور اعلیٰ صفات میں ان سے الگ
ہیں اور مساوات فی البشریۃ کے لئے صرف ایک وصف بھی
کافی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ آپ باقی صفات کاملہ میں بھی
دوسروں کے مساوی ہوں یا وہ آپکے مساوی ہوں جیسا کہ
تم یوں کہتے ہو کہ زید شیر ہے تو تمہارا مقصود صرف یہ ہوتا ہے
کہ زید شیر کے ساتھ شجاعت میں مساوی اور شریک ہے۔ باقی
صفات شیر میں شریک نہیں کیونکہ شیر وحشی جانور ہے اور زید

انسان ولنعم ما قيل في المثل السائر
محمد صلى الله عليه وسلم بشر لا كالبشر بل
هو كالياقوت بين الحجر وما ادرى لاى
سبب ينفون البشرية عنه صلى الله عليه
وسلم فان البشرية هي سبب لتصديق
رسالته ومعجزاته وخوارق عاداته فان
المعجزات وخوارق العادات تصير سببا
لتصديق دعوى الرسالة اذا صدرت
من البشر واما ان صدرت من الملك او
من الجن والشياطين فاي غرابة فيه
فان خوارق العادات من الملئكة و
الشياطين امر عادي بل مفهوم المعجزة
وخرق العادة يتصور بالنسبة الى
الانسان بان غير الانبياء عليهم الصلوة
والسلام يعجزون عن الاتيان بمثله فلذا
سميت المعجزة خرق العادة اى خرق
عادة بنى ادم لا خرق عادة الملئكة و
الشياطين قالوا انه صلى الله عليه وسلم نور
لان الله سبحانه وتعالى قال يا ايها الناس
قد جاءكم من الله نور وكتاب مبين قلنا
آمنا وسلمنا انه نور لكن النورانية تصير
سببا للمدح اذا صار البشر نورا بارتقائه
من كثافة البشرية الى معارج
النور الاصلى اما غير البشر

انسان ہے۔ ایک مشہور ضرب المثل میں خوب کہا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم بشر تو ہیں مگر عام بشر کی مانند نہیں بلکہ آپ یاقوت
کی طرح ہیں کہ وہ بھی پتھر تو ہوتا ہے مگر اسے یاقوت کہتے ہیں
پتھر نہیں کہتے۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ لوگ حضور علیہ السلام سے
بشریت کی نفی کیوں کرتے ہیں حالانکہ بشریت ہی آپکی رسالت
کی تصدیق اور آپکے معجزات اور خرق عادات کی تصدیق
کا سبب ہے۔ کیونکہ انسان سے جب معجزات صادر ہوں یا
خرق عادات تو یہی تصدیق رسالت کا سبب بنا کرتے
ہیں۔ ورنہ اگر یہ سب کچھ فرشتوں سے صادر ہوں یا جن اور
شیطان سے پیدا ہو تو کچھ تعجب نہ ہوگا۔ کیونکہ خرق عادت
فرشتوں اور شیاطین سے ایک مسلمہ اور عادی امر ہے
بلکہ معجزہ اور خرق عادت کی حقیقت ہی انسان سے تعلق
قائم کرنے کے ساتھ پیدا ہوا کرتی ہے کہ دوسرے انسان
انبیاء علیہم السلام کے بغیر ایسا کرنے سے عاجز ہوا کرتے ہیں
اسی بنا پر معجزہ کو خرق عادت کا نام دیا گیا ہے یعنی معجزہ
بنی آدم کی روزمرہ عادت کے خلاف ہوتا ہے۔ ورنہ یہ مطلب
نہیں کہ وہ معجزہ فرشتوں یا شیاطین کی طاقت سے بھی
باہر ہوتا ہے۔ صوفی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نور ہیں کیونکہ
خدا نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! تمہارے پاس اللہ کا نور آیا ہے
اور روشن کتاب (قرآن مجید) لایا ہے۔ اسلئے آپکو بشر کہنا
صحیح نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ہمیں بھی تسلیم ہے اور ہمارا بھی
ایمان ہے کہ آپ نور ہیں۔ مگر نورانیت انسان اور بشر ہی کے
لئے تعریف کا سبب بنتی ہے جبکہ وہ کثافت بشری سے
نکل کر اصلی نورانیت کے بلند مراتب پر ترقی کر جائے اور جب

ان اتصف بالنور فالنورانية
فيه طبعية لا كسبية قال الله تعالى
والقمر نورا فالقمر ما ارتقى من كثافة
المادية الى النورانية بكسبه بل
خلقه الله تعالى نورا فيكون نورانيته
طبعية وليس فيه غرابة ومدح معتد
به قال الله تعالى يهدى الله لنوره
من يشاء فالبشرية لما فيه عن
الكدورات لنفسانية مدح واي
مدح وكمال اي كمال والعجب من القوم
كيف زعموا الكمال نقصا والمدح ذما

مسئلة التعظيم لغير الله

انتهى. ومن تلك المسائل مسئلة التعظيم
لغير الله تعالى قال قوم التعظيم لغير الله
شرك او كفر او بدعة على اختلاف آرائهم
قال المؤلف وفقه ربه لما يحب ويرضى
انى الفت كتابا قبل هذا باعوام وسميته
[1] بالاصول الاربعة في ترديد الوهابية وبوبتها
وفتحت فيه بابا عنوانه الباب
الاول في جواز التعظيم لغير الله تعالى
وشاع الكتاب بعد الطبع ووصل
الى من يدعي العلم من جماعتهم فقال
غير الله يدخل فيه الاصنام والاوثان
وتعظيم الاصنام شرك.
اقول عجبا له انا ما قلت

انسان کے بغیر اگر کوئی (مثلاً فرشتہ) نورانیت سے موصوف ہو جائے تو اس کی یہ تعریف شمار نہ ہوگی کیونکہ نورانیت اس میں فطرتی ہوتی ہے۔ بعد میں حاصل نہیں ہوتی چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ ہم نے چاند کو نور بنایا۔ تو چاند نے کثیف مادہ سے نورانیت کی طرف ترقی نہیں کی بلکہ خدا نے اسے نور ہی پیدا کیا ہے تو اس کی نورانیت فطرتی ہوگی جس میں نہ کوئی تعریف نکلتی ہے اور نہ قابل قدر روح پیدا ہوتی ہے خدا نے فرمایا ہے کہ خدا جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت کرتا ہے پس ایسی بشریت جو نفسانی کدورتوں سے صاف ہو ایک بڑی تعریف اور مدح ہے اور بہت بڑا کمال ہے۔ مجھے اپنے لوگوں پر تعجب آتا ہے کہ وہ کیسے کمال کو نقص بناتے ہیں اور کس طرح مدح کو مذمت سمجھ رہے ہیں (انتہی) مختلف فیہ مسائل میں سے غیر اللہ کی تعظیم بھی ہے۔ چند لوگوں کا خیال ہے کہ غیر اللہ کی تعظیم شرک ہے یا کفر ہے یا بدعت ہے۔ اس میں ان کی رائیں مختلف ہیں مؤلف رسالہ ہذا کہتا ہے (خدا اسے اس امر کی توفیق دے جسے وہ پسند کرتا ہے) کہ میں اس رسالہ سے پہلے کئی سال ایک کتاب تصنیف کر چکا ہوں جس کا نام ہے "الاصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ" جس میں کئی باب ہیں اور ایک خاص باب اس عنوان سے لکھا ہے کہ باب اوّل غیر اللہ کی تعظیم میں۔ اور وہ کتاب چھپ کر شائع بھی ہو چکی ہے اور جماعت نجدیین کے اہل علم کے پاس پہنچ بھی چکی ہے کہ تاہم مخالف کہتا ہے کہ غیر اللہ میں بت اور مورتیاں بھی داخل ہیں اسلئے تم انکی بھی تعظیم کیا کرو۔ حالانکہ یہ صحیح ہے کہ بتوں کی تعظیم شرک ہے اور جواب میں میں کہتا ہوں کہ میں یہ نہیں کہتا

(١) طبع في استنبول سنة ١٤١٢ هـ. [١٩٩١ م.] مرة ثانية

جمیع غیر اللہ حق یدخل فیہ الاصنام
اما قال تعالیٰ ان الانسان لیطغی
ان راہ استغنی الا تدخل الانبیاء علیہم
السلام فی نوع الانسان وکیف یحکم
علیہم بالطغیان اما قال تعالیٰ یا
بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد
الا تدخل الکفار فی بنی آدم وکیف یکون
زینتہم عند کل مسجد وامثال ذلک
کثیر فی القرآن کما فی قولہ تعالیٰ قتل
الانسان ما اکفرہ وغیرہ ذلک فان
دخل الاصنام فی عموم غیر اللہ یدخل
الانبیاء المعصومون فی الطغیان والکفار
فی المساجد بزعمہم فما کان جوابہم
کان جوابنا نعم بعض غیر اللہ الذی
امر اللہ بتعظیمہ یجب تعظیمہ اما
قال اللہ تعالیٰ ومن یعظم شعائر اللہ
فانہا من تقوی القلوب والصفا و
المروۃ من شعائر اللہ قال اللہ
تعالیٰ ان الصفا والمروۃ من
شعائر اللہ وہما جبلان بقرب
الحرم المکی وقال تعالیٰ والبدن
جعلناہا لکم من شعائر
اللہ والمزدلفہ والمنی
من شعائر اللہ قال اللہ

کہ جمیع غیر اللہ قابل تعظیم ہیں تاکہ اسمیں بت بھی شامل
ہوں کیا خدا تعالیٰ نے یوں نہیں کہا کہ انسان سرکشی
کرتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ خود مالدار ہے تو کیا انبیاء
علیہم السلام نوع انسانی میں داخل نہیں ہیں؟ اگر
ہیں تو انپر سرکشی کا حکم کیسے صحیح ہوگا۔ خدا نے یہ
بھی کہا ہے کہ اے بنی آدم ہر مسجد اور نماز کے وقت
اپنی زینت حاصل کرو تو کیا کفار بنی آدم میں داخل
نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو ہر ایک نماز میں انکی زینت کیسے
ہوگی غرضیکہ اس قسم کی مثالیں قرآن میں بہت ہیں
چنانچہ یہ ایک اور مثال ہے کہ خدا نے کہا ہے کہ انسان
بڑا کافر ہے جس سے مراد تمام انسان نہیں۔ اس کے
سوا اور بھی کئی ایک مثالیں ہیں پس اگر غیر اللہ کے عام
لفظ میں بت داخل ہیں تو انبیائے معصوم بھی طغیان
میں داخل کئے جائینگے اور کفار بھی انکے خیال میں داخل
صلوٰۃ ہوں گے تو جو جواب تم دوگے وہی جواب ہم دینگے
مگر ہاں بعض غیر اللہ وہ بھی ہیں جن کی تعظیم کا حکم خود خدا
نے دیا ہے اسلئے انکی تعظیم واجب ہوگی۔ کیا خدا نے
یوں نہیں کہا کہ جو خداوندی یادگاروں کی تعظیم کرتا ہے تو
تعظیم انکے دل کے تقویٰ کی علامت ہے۔ کوہ صفا اور
کوہ مروہ بھی اللہ کی یادگار ہیں۔ چنانچہ صاف لفظوں میں
خدا نے کہا ہے کہ بیشک صفا و مروہ اللہ کے شعائر میں سے
جو کہ حرم مکہ کے قریب دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں
یہ بھی کہا ہے کہ بڑے جانور (اونٹ اور گائے) خدا نے
تمہارے لیے اپنی یادگار بنائے ہیں مزدلفہ اور منی بھی شعائر اللہ

تعالى فاذكروا الله عند المشعر
الحرام واما كان النبي صلى الله
عليه وسلم يستلم الحجر الاسود
اليس في الاستلام معنى التعظيم و
امر النبي صلى الله عليه وسلم بتعظيم
الوالدين قال الله تعالى في حقهما ولا
تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهما
قولا كريما وقال ان اشكر لي و
لوالديك اليس في الآيتين الامر
بتعظيم الوالدين قال الله تعالى لا
يمسه الا المطهرون اليس فيه تعظيم القرآن
قال الله تعالى ولله العزة ولرسوله و
للمؤمنين اليس في الآية التعظيم للرسول
وللمؤمنين قال الله تعالى لا ترفعوا
اصواتكم فوق صوت النبي ولا تجهروا له
بالقول كجهر بعضكم لبعض ان تحبط
اعمالكم وانتم لا تشعرون اليس
في الآية التعظيم لرسول الله
صلى الله عليه وسلم الى
غير ذلك من الآيات والاحاديث
في هذا الباب فان سلمتم
وجوب التعظيم لهؤلاء
المذكورين فما معنى قولكم
التعظيم لغير الله حرام

ہیں۔ چنانچہ خدا نے کہا ہے کہ مشعر حرام (مزدلفہ ومنی)
میں اللہ کا ذکر کرو۔ ارے یہ تو بتاؤ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم حجر اسود کو کیا نہیں بوسہ دیا کرتے تھے؟ تو کیا
بوسہ دینے میں تعظیم نہیں ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے تو خود والدین کی تعظیم کا حکم دیا ہے اور خدا تعالے
نے بھی کہا ہے کہ اے انسان تو اپنے ماں باپ کو ان
کے جواب میں یہ بھی نہ کہو کہ (اُف) میں تمہارے کہنے
سے بیزار ہوں جھڑکو ان پر آواز نہ کسنا ادب سے بات
کہنی ہو تو انسانیت سے کہنا پھر کہا کہ اے انسان میرا
شکر کر اور اپنے ماں باپ کا بھی شکریہ ادا کر۔ اب بتاؤ کہ
کیا ان دونوں آیتوں میں والدین کی تعظیم کا حکم نہیں؟ یہ
بھی کہا ہے کہ قرآن مجید کو پاک ہی ہاتھ لگائیں تو کیا اس
میں قرآن کی تعظیم نہیں؟ پھر کہا کہ اللہ اور رسول اور
مومنین کے لئے عزت ہے تو کیا اس آیت میں رسول اور
مومنین کی تعظیم نہیں بتائی گئی؟ پھر خدا تعالیٰ نے کہا
کہ نبی کی آواز سے اپنی آوازیں بلند نہ کرو اور کوئی بات نبی
سے کہنی ہو تو گستاخی سے اونچی آواز کیساتھ مت کہو جس طرح
کہ تم ایک دوسرے کو کہہ لیتے ہو۔ ورنہ تمہارے نیک عمل
سب ضبط ہو جائیں گے اور تمہیں پتہ بھی نہ لگے گا۔ تو
کیا اس آیت میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم
منکور نہیں؟ اس قسم کی اور بھی بہت آیات ہیں اور
احادیث بھی اس مضمون کے متعلق بہت ہیں پس اگر
تم مذکورہ الصدر مخلوق کی تعظیم کا وجوب تسلیم کرتے ہو تو
تمہارے اس قول کا کوئی مطلب نہ ہوگا کہ غیر اللہ کی تعظیم

وان انكرتم فما معنى الايات
المذكورة وما معنى قوله تعالى و
تعزروه وتوقروه وان اصررتم على
ضلالتكم فنقول كما قال الله تعالى
أرأيت من اتخذ الهه هواه و
اضله الله على علم وختم على سمعه و
قلبه وجعل على بصره غشاوة فمن
يهديه من بعد الله فاذا كانت الاماكن
والجبال والدواب واجب التعظيم
بحكم القرآن فلا شك ان اولياء
الله تعالى احياء او امواتا من
عباد الله المؤمنين الصالحين كلهم
واجب التعظيم وقد مر ما قال
الله تعالى ولله العزة ولرسوله
وللمؤمنين اليس الاولياء و
الصلحاء داخلين فى زمرة المؤمنين
ومن الذى قال لئن رجعنا الى
المدينة ليخرجن الاعز منها الاذل
ارادوا تحقير من عظمه الله تعالى
فرد الله عليهم بقوله ولله العزة
ولرسوله وللمؤمنين
وتحقير من عظمه الله تعالى
ديدان اى فريق
من المسلمين آمنا سمعوا

حرام ہوتی ہے۔ بالفرض اگر تم اسے تسلیم نہیں کرتے تو آپ
ہمیں آیات مذکورہ بالا کا مطلب سمجھا دیں کیا ہے؟ اور
اس آیت کا مطلب بھی بتا دیں کہ کیا ہے۔ وہ آیت یہ
ہے کہ تم اپنے نبی کی عزت و توقیر کیا کرو اور اگر تم اپنی
گمراہی پر ہی اڑے رہے تو ہم تمہارے متعلق یہ آیت
پڑھ دینگے کہ کیا تم ایسے لوگ نہیں دیکھتے ہو جو نفس
پرستی کرتے ہیں؟ اور خدا نے دیدہ دانستہ ان کو گمراہ کر دیا
ہے اور ان کے کان اور قلب پر مہر کر دی ہے اور آنکھ پر
پردہ ڈال دیا ہے تو اب خدا کے بعد ان کو کون ہدایت
دے سکتا ہے؟ پس جب مقامات مقدسہ اور پہاڑ اور
جانور بھی قرآنی حکم سے واجب التعظیم ٹھیرے ......
تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اولیاء زندہ ہوں یا مردہ
وہ سارے خدا کے نیک ایماندار بندے ہیں اور وہ
واجب التعظیم ہیں۔ چنانچہ میں پہلے یہ آیت لکھ چکا ہوں
کہ عزت اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی اور رسول کے
ماننے والوں کی۔ تو کیا اولیاء اللہ اور صلحاء اور مومنین
کی جماعت میں داخل نہیں؟ بھلا یہ بتاؤ کس نے کہا
تھا کہ اگر ہم مدینہ میں واپس آئینگے تو صاحب عزت ذلیل
کو وہاں سے نکال دیگا؟ میں بتاؤں، یہ منافقوں نے
کہا تھا اور وہ اس سے رسول علیہ السلام کی توہین چاہتے
تھے جس کو خدا نے واجب التعظیم قرار دیا تھا۔ اسلئے خدا
نے انکی تردید میں کہا کہ عزت تو اللہ اور رسول کی ہے اور
مومنین بھی ذی عزت ہیں۔ اب دیکھیں کون نکلتا ہے؟
سچ بتاؤ جس کو خدا واجب التعظیم ٹھیرائے اس کی توہین کرنا

قوله صلى الله عليه وسلم للانصار
حين جاء سعد بن معاذ رضي
الله عنه قوموا لسيدكم فأمر
بالقيام تعظيما له فان قيل الأمر
بالقيام كان لنزوله عن الدابة
لانه كان مريضا قلنا سوق الكلام
يشهد بخلاف ذلك لانه لو كان
المراد بالامر نزوله عن الدابة
فالمناسب ان يقول قم يا فلان
وانزل سعدا او قم يا فلان ويا
فلان وانزلا سعدا لكن الامر
بلفظ الجمع ولفظ السيد في
حقه رضي الله عنه ينادي باعلى
الصوت ان المراد بأمر قوموا لسيدكم
التعظيم والتوقير اما علموا ان
الصحابة رضي الله عنهم كانوا خاشعين
في مجلسه الشريف كان على رؤسهم
الطير والله يهدي من يشاء الى صراط
مستقيم. ومن تلك المسائل مسئلة
سماع الموتى قالوا الموتى لا يسمعون
مستدلين بقوله تعالى انك
لا تسمع الموتى وقوله تعالى
وما انت بمسمع من في القبور
قلنا المراد بالموتى ومن في القبور

المسئلة سماع الموتی

کس مسلمان کا کام ہے. کیا تم مخالفین نے رسول علیہ السلام
کا یہ حکم بھی نہیں سنا کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
لڑائی سے واپس آئے تھے تو آپ نے انصار سے کہا تھا کہ اپنے
سردار کا کھڑے ہو کر استقبال کرو تو یہ قیام تعظیمی تھا. اگر یہ
سوال کیا جائے کہ یہ حکم اس لئے تھا کہ آپ بیمار تھے تاکہ گھوڑے
سے آپکو اتار لیں. ورنہ تعظیم کے لئے یہ حکم نہ تھا. تو
ہم کہیں گے کہ اس واقعہ کے متعلق سلسلۂ کلام اس کے
خلاف ہے. کیونکہ اگر گھوڑے پر سے اتارنا مراد ہوتا تو یوں
کہنا مناسب تھا کہ ارے فلاں آدمی اٹھو اور ان کو
گھوڑے سے اتارو. یا یوں حکم ہوتا کہ ارے فلاں و فلاں
تم دونو اٹھو اور سعد کو گھوڑے سے اتارو. مگر یہاں تو
جماعت کو مخاطب کیا ہے اور سعدؓ کو سید کہا ہے اور
یہ سید کا لفظ سعد رضی اللہ عنہ کے حق میں آواز بلند پکارتا
ہے کہ آپ نے جو فرمایا تھا کہ اپنے سردار کے لئے کھڑے
ہو جاؤ. اس سے مراد حضرت سعدؓ کی تعظیم و توقیر تھی
پھر کیا مخالفین کو یہ معلوم نہیں کہ حضور علیہ السلام کے دربار
میں صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے متواضع ہو کر بیٹھتے تھے کہ
گویا ان کے سر پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں. اب خدا
جسے چاہے راہ راست کی ہدایت کرے. مختلف فیہ
مسائل میں سے سماع موتیٰ کا مسئلہ بھی ہے. مخالف کہتے
ہیں کہ مردے نہیں سنتے اور ثبوت یہ دیتے ہیں کہ خدا نے
حضور علیہ السلام سے کہا ہے کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے
اور یہ بھی کہا ہے کہ آپ ان مردوں کو نہیں سنا سکتے
جو قبروں میں پڑے ہیں. اور ہم جواب میں یوں کہتے ہیں

الکفار والمراد من السماع
سماع قبول والدلیل علی ان المراد
من السماع سماع قبول ان الکفار
ما کان فی اذانهم صمم حتی لا یسمعوا
کلامه صلی الله علیه وسلم فانهم وان
کانوا یسمعون فی الظاهر لکنهم کانوا
محرومین من سمع القبول ومن هذا
الباب قول المصلی سمع الله لمن حمده
فان المراد من السماع سماع قبول کما
یقال نادیت الامیر بحاجتی فما سمعه
یعنی ما سمعه بسمع القبول فلیس فی
الآیتین دلیل علی عدم سماع الموتی
بل فیهما دلیل علی سماع الموتی لان
المشبه وهم الکفار یسمعون فکیف
یشبه بمن لا یسمعون فکما ان الکفار
یسمعون فی الظاهر کذلك الموتی یسمعون
فی الظاهر واما سماع القبول فالکفار
محرومون عنه للانکار القلبی والموتی
محرومون عنه لعدم قدرتهم علی الجواب
فکانهم ما سمعوا ومعنی الآیتین
انك لا تسمع الموتی ولا تسمع من
فی القبور انك لا تسمعهم بل الله تعالی
یسمعهم علی حد قوله تعالی انك لا تهدی
من احببت ولکن الله یهدی من یشاء

کہ مُردوں اور قبر والوں سے مراد یہاں کفار ہیں اور
سُننے سے مراد تصدیقی سننا ہے اور اس امر کا ثبوت
کہ یہاں سُننے سے مراد تصدیقی سننا ہے، یہ ہے کہ کفار
کے کانوں میں بہرا پن نہ تھا کہ حضور علیہ السلام کا کلام نہ سُن
سکتے۔ پس وہ اگرچہ بظاہر سنتے تھے لیکن تصدیقی سننے
سے محروم تھے۔ اسی محاورہ کے مطابق ہے نمازی کا یوں
کہنا کہ سمع اللہ لمن حمدہ خدا اس کی بات مان لیتا ہے
جو اسکی تعریف کرتا ہے۔ یہاں بھی تصدیقی سُننا مراد ہے
اسی طرح یہ محاورہ بھی ہے کہ میں نے امیر کو اپنی حاجت
روائی کے لئے پکارا، مگر اس نے ایک نہ سُنی، یعنی میری
پکار کو منظور نہیں کیا۔ پس دونوں آیتوں میں مُردوں کے
نہ سننے کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ ان میں سماع موتٰی کا
ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ یہاں کفار کو مُردوں سے مساوی
مانا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سنتے تھے اور وہ نہیں سنتے تھے
تو یہ مساوات کیسے ہوگی؟ تشبیہ تب ہی صحیح ہوگی
کہ دونو بظاہر سنتے تسلیم کئے جائیں سو حقیقت یہ ہے
کہ جس طرح کفار بظاہر سنتے ہیں تو مُردے بھی بظاہر سنتے
ہیں مگر تصدیقی سننا دونوں میں نہیں کیونکہ کفار انکار
قلبی کی وجہ سے اس سے محروم ہیں اور مُردے اس سے
اس لئے محروم ہیں کہ وہ جواب نہیں دے سکتے تو گویا
وہ بھی نہیں سنتے۔ اب دونو آیت کا مفہوم یوں ہے
کہ آپ تو ان کو نہیں سنا سکتے۔ مگر خدا ان کو سنا دیگا
جیسا کہ ارشاد ہے کہ آپ تو اسے ہدایت نہیں دے
سکتے جسے آپ پسند کریں لیکن خدا جسے چاہے ہدایت

وقد نص في القرآن ان الله يسمع من
يشاء وما انت بمسمع من في القبور
ثم رجعنا الى الكلام في اصل السماع
فنقول ان السماع والنظر والكلام
والبطش والمشي وجميع الافعال
الارادية وظيفة الروح بمعاونة
الحواس والجوارح مادام في حالة الحيوة
وبدون معاونة الحواس والجوارح بعد
الممات ومصداق ذالك حالة النوم
فان النوم يعطل فيه الحواس الظاهرة
والباطنة والجوارح من العمل والروح
ليرى ويسمع وينظر ويتكلم ويبطش
ويلتذ بالمستلذات ويألم بالمؤلمات
فارواح الاحياء مع حبسها في البدن
تفعل جميع ما ذكر في النوم فارواح
الاموات المطلقات من حبس البدن
كيف لا تقدر على ما تقدر
عليه في حالة حبس البدن
فلذا قيل النوم اخ الموت نعم
ارواح الكفار المحبوسين
في الدركات محرومون عن
الادراكات مشغولون بنتائج
سوء اعمالهم وكذا الفساق
ان لم يرحمهم ربهم

دے دیتا ہے اور قرآن مجید میں اس کی تصریح بھی
موجود ہے کہ خدا جسے چاہے سنا دیتا ہے اور آپ اہل
قبور کو نہیں سنا سکتے۔ اب ہم اصل مسئلہ سماع موتے
کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سننا، دیکھنا
بولنا، حملہ کرنا، چلنا اور تمام خود اختیاری فعل روح
انسانی کا فرض ہیں کہ جب تک انسان زندہ رہے
اس کی روح حواس اور بیرونی اعضا کی امداد سے وہ
فرائض بہم پہنچائے اور موت کے بعد اس کا فرض ہے
کہ بغیر امداد حواس اور بیرونی اعضا کے یہ سب کام کرے
اس کی مثال نیند ہے کیونکہ نیند کی حالت میں تمام حواس
معطل ہو جاتے ہیں، خواہ ظاہری ہوں یا باطنی اور
بیرونی اعضاء بھی کام سے رہ جاتے ہیں مگر روح
حسب دستور چلتی ہے اور سنتی ہے، دیکھتی ہے، بولتی ہے
حملہ کرتی ہے، لذیذ چیزوں سے لذت بھی اٹھاتی ہے
اور موذی اشیاء سے تکلیف بھی پاتی ہے۔ پس ثابت
ہوا کہ زندہ کی روح بحالت نوم اگرچہ جسم میں مقید
ہے سب کچھ کر لیتی ہے تو مردہ کی روح جو جسمانی قید
سے رہا ہو چکی ہے کیسے ان افعال پر قادر نہ ہوگی۔
جن پر کہ بقید جسمانی قادر تھی۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے
کہ نیند موت کے برابر ہے اور ارواح کفار کے جو
دوزخ کے قیدخانوں میں قید ہیں وہ ان امور کے دریافت
کرنے سے محروم رہتے ہیں اور اپنی بدعمل کے بد نتائج
میں مبتلا رہتے ہیں اسی طرح گنہ گاروں کی روحیں
بھی جبتک کہ خدا ان پر رحم نہیں کرتا۔ اپنے عذاب

مسئلة التوسل بارواح الصلحاء

ومن تلك المسائل مسئلة التوسل
عند الله تعالى بارواح الصلحاء
من عباده احياءً واموانا وهذه
المسئلة لها فروع الفرع الاول
بان ينادي ربه ويتوسل
بروح الصالح من عباده المقرب
لبابه نحو قولنا اللهم اني اتوسل
اليك بروح سيدنا رسول الله
صلى الله عليه وسلم او بروح الشيخ
الفلاني وهذا النوع جائز لا غبار
عليه عند كافة الامة المرحومة
الا من اعمى الله قلبه وختم على
سمعه وبصره وقد هدانا الله
تعالى الى هذا بقوله يا ايها الذين
آمنوا اتقوا الله وابتغوا اليه
الوسيلة فلفظه اتقوا الله قبل
الامر بابتغاء الوسيلة تشير الى
الحث واللزوم بابتغاء الوسيلة الى
حضرة قدسه تعالى وتعليم الادب
لعباده بتقديم الوسيلة لان طلب
المسئول من الاكابر الوقت
غالبًا لا يكون بدون تقديم
الوسيلة من الهدايا وشفاعة
مقرب عنده كذلك طلب

میں مصروف و مبتلا رہتے ہیں۔ متنازع فیہ مسائل
میں سے ایک توسّل کا مسئلہ بھی ہے کہ آیا اللہ کے
نیک بندوں کی روحوں کا خواہ وہ زندہ ہوں یا
مُردہ خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جائے؟ اور اس
مسئلہ کی دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ انسان خدا کو پکارے
اور بارگاہِ الٰہی کے صالح بندوں میں سے کسی ایک
کو اپنا وسیلہ بنائے مثلاً یوں کہے کہ یا اللہ میں تیری
بارگاہ میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی
روح مبارک کا وسیلہ لاتا ہوں۔ یا یوں کہے کہ فلاں
شیخ کی روح کا وسیلہ لاتا ہوں۔ یہ صورت بلاشبہ جائز
ہے تمام اُمت محمدیہ کے نزدیک۔ ہاں اسکا وہ مخالف
ہے جس کے دل کو خدا نے اندھا کیا ہوا ہے اور اس کے
کان اور آنکھ پر مُہر کردی ہے اور ہمیں خدائے تعالےٰ
نے اس آیت سے ہدایت کا راستہ بتا دیا ہے۔ کہ اے لوگو
جو ایمان لائے ہو، خدائے عذاب سے ڈرو اور اس کی
طرف وسیلۂ نجات طلب کرو۔ اس آیت میں وسیلہ
طلب کرنے سے پہلے یہ لفظ ہے کہ اللہ کے عذاب سے
ڈرو۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ خدا کی مقدس بارگاہ
میں وسیلہ طلب کرنے پر شوق دلایا گیا ہے اور اسے
واجب قرار دیا گیا ہے اور عباد اللہ کے وسیلہ پیش کرنے
سے ادب کی تعلیم دی گئی ہے۔ کیونکہ دنیاوی اکابر
سے عمومًا اپنی حاجت طلب کرنا یوں ہی ہوتا ہے کہ ہدیہ
یا تحفہ کو وسیلہ بنایا جائے یا کسی مقرب کی سفارش
پیش کی جائے جس کی عزت اُس بزرگ کے دل میں ہو

المسئول من الملك العلام لا يصلح الا بتقديم الوسيلة واوثق الذرائع واحسن الهدايا الى الغني المنعام التوسل بارواح الصالحين من عباده قالوا التوسل المأمور في القرآن انما يكون بالاعمال لا بالابدان مستدلين بحديث الثلاثة الذين حبسوا في الغار قلنا كما يجوز التوسل بالاعمال كذالك يجوز بالابدان كما توسل سيدنا الفاروق رضي الله عنه عام قحط المطر بسيدنا العباس رضي الله عنه ولان التوسل بالاشخاص حقيقة هو التوسل باعمال ذلك الشخص لا بجسمه الظاهر فصار التوسل بالاشخاص توسلا بالاعمال۔

الفرع الثاني من التوسل بان ينادي الى روح احد من عباد الله الصالحين بان يقول يا سيدي رسول الله اغثني او يا سيدي الشيخ الفلاني امددني ففيه تفصيل

علیٰ ہذا القیاس عالم الغیب خدا بادشاہ کے دربار میں بھی اپنی حاجت طلب کرنا سوائے وسیلہ پیش کرنے کے اور کوئی پختہ ذریعہ تلاش کرنے کے بغیر صحیح نہ ہوگا۔ اور اس سخی لاپرواہ خدا کے دربار میں بہترین تحفہ یہی ہے کہ ارواح عباد اللہ صالحین کو وسیلہ بنایا جائے مگر مخالف کہتے ہیں کہ جس وسیلہ پیش کرنے کا حکم قرآن مجید میں ہے اس سے مراد صرف اعمال صالحہ ہی ہیں کسی کی شخصیت وسیلہ نہیں ہوسکتی اور ثبوت میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ تین آدمی غار میں پھنس گئے تھے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے اعمال حسنہ کو پیش کرکے دعا مانگی تھی اور وہ دعا منظور بھی ہوگئی تھی اور ہم جواباً کہتے ہیں کہ توسل جس طرح اعمال سے جائز ہے۔ اسی طرح خدا کے نیک بندوں سے بھی صحیح ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قحط پڑ گیا تھا تو آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کیا تھا۔ درحقیقت کسی نیک بندے کا توسل پیش کرنا اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اس کے نیک عمل پیش کئے جاتے ہیں۔ ورنہ ظاہری جسم پیش نہیں کیا جاتا تو اس لحاظ سے شخصی توسل بھی توسل بالاعمال بن جاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ انسان خدا کے نیک بندوں میں سے کسی ایک کی روح کو پکارے اور یوں کہے کہ اے میرے مالک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میری فریادرسی فرمائیے یا یوں کہے کہ اے پیر آقا فلاں شیخ میری مدد کیجئے۔ تو اس کی تشریح یوں ہے

ان كان مراد القائل التجوز اعني نداءه
للعبد الصالح بطريق المجاز و يعلم
ان المعطي والمانع هو الله تعالى و
والعبد الصالح وسيلة الى حضرة قدسه
و يعد نفسه احقر من ان يناجي
ربه فذلك جائز لان الاعمال بالنيات
ولكل امرئ ما نوى فالله تعالى هو
المعطي والنبي صلى الله عليه وسلم
هو القاسم وقد جرت العادات للفقراء
والمحتاجين باظهار فقرهم للقاسم
لا المعطي و يتفرع على هذا المبحث

جواز نداء الغائب

مسئلة جواز نداء الغائب وعدم جوازه
قالوا لا يجوز النداء للغائب ومن
اعتقده فقد اشرك بالله تعالى قلنا
ما مرادهم بالغائب الغائب من النظر
ام الغائب عن القلب فان كان مرادهم
الغائب عن النظر فالله تعالى
غائب عن النظر قال الله تعالى
لا تدركه الابصار وهو
يدرك الابصار فلا يجوز لاحدهم
ان يقول يا الله وان كان مرادهم
الغائب عن القلب فالله تعالى حاضر
في قلب كل مؤمن بر وليس بغائب و
رسول الله صلى الله عليه وسلم ايضا حاضر في قلب

کہ اگر اس کی مراد مجاز ہے یعنی جب وہ نیک بندے کو
پکارتا ہے تو مجازی طریق پر پکارتا ہے۔ ورنہ وہ بھی جانتا
ہے کہ خدا ہی دیتا ہے یا روکتا ہے مگر عبد صالح درمیان
میں وسیلہ ہے کیونکہ وہ خدا کی بارگاہ میں مقرب ہے اور
میں اس امر کے لائق نہیں کہ خدا سے کوئی راز کی بات کہوں
تو یہ صورت جائز ہوگی کیونکہ اعمال کی بنیاد نیت پر ہوتی
ہے اور انسان کو نیت کا پھل ملتا ہے خدا دینے والا ہے
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا عطیہ تقسیم کرنے والے
ہیں اور یہ دستور چلا آیا ہے کہ فقیر اور محتاج تقسیم کرنیوالے
کے پاس اپنی ضرورت پیش کیا کرتے ہیں اور اصل سخی کی خدمت
میں پیش نہیں کرتے۔ اسی بحث سے ایک اور مسئلہ بھی حل
ہو جاتا ہے کہ غائب کو پکارنا صحیح ہے یا ناجائز؟ مخالف
کہتے ہیں کہ ناجائز ہے کہ غائب کو پکارا جائے اور جو شخص
ایسا عقیدہ رکھتا ہے وہ خدا سے شرک کرتا ہے۔ مگر ہم پوچھتے
ہیں کہ غائب کے لفظ سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ آیا وہ
آدمی جو نظر سے غائب ہو یا دل سے غائب ہو؟
اگر تم نظر سے غائب مراد لیتے ہو تو خدا بھی نظر سے
غائب ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ خدا کو نظر
دریافت نہیں کرسکتی اور وہ بندوں کی نظر کو دریافت
کر لیتا ہے۔ تو کسی مخالف کو بھی یہ کہنا جائز نہ ہوگا کہ
وہ کہے "اے اللہ" اگر مخالف کی مراد اس لفظ سے وہ غائب
ہے جو دل سے پوشیدہ ہو تو خدا تعالیٰ تو ہر ایک کے
قلب میں حاضر ہوتا ہے اور کبھی غائب نہیں ہوتا اور رسول
خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر ایک مومن کے قلب میں

كل مؤمن به وليس بغائب فهو
ينادي الى من في قلبه وحاضر
القلب اعلى واحلى من حاضر النظر
فما بقي للغائب محل ممنوع
النداء اليه واما قولهم
فالله تعالى يسمع والنبي صلى الله
عليه وسلم لا يسمع ففيه بحث
ليس هذا محل نشره وقد
سبق في مسئلة سماع الموتى
نبذ منه ولئن سلمنا ان النبي
صلى الله عليه وسلم لا يسمع
فنقول فالله تعالى سمع قول القائل
يا رسول الله اغثني او ما سمع لا
سبيل الى الثاني فاذا سمع من عبده
النداء لحبيبه وصفيه واستغاثته
برسوله الذي هو بالمؤمنين رؤف
رحيم أليس مقتضى كرمه انجاح مطلوبه
فان قلت نعم فهو المطلوب ان قلت
لا فعليك بالبرهان وايضا في الحديث
الذي اخرجه البخاري في صحيحه عن ابي هريرة
انه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
ان الله تعالى قال من عادى لي وليا
فقد آذنته بالحرب وما
تقرب الي عبدي بشيء

حاضر ہوتے ہیں اور غائب نہیں ہوتے پس مومن بھی
اسی کو پکارتا ہے جو اس کے دل میں حاضر ہوتا ہے اور
دل کا حاضر نظر کے حاضر سے بالاتر اور مرغوب تر ہوتا ہے
تو کوئی ایسا غائب نہ رہا جس کو پکارنا وہ ناجائز سمجھتے
ہیں اور مخالفین کا یہ کہنا کہ خدا تو سنتا ہے مگر رسولِ
خدا صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی پکار نہیں سنتے، قابل
غور ہے۔ یہ مقام اس پر بحث کرنے کا نہیں اور مسئلہ
سماع موتیٰ میں اس کی کچھ تفصیل گذر بھی چکی ہے اگر
بالفرض تسلیم بھی کیا جاوے کہ حضور علیہ السلام کسی کی
پکار نہیں سنتے تو ہم پوچھتے ہیں کہ بتاؤ کہ یا رسول اللہ
اغثنی کا فقرہ خدا سنتا ہے یا نہیں؟ یہ تو ناممکن ہے
کہ خدا نہ سنے۔ تو جب وہ سنتا ہے کہ اس کا ایک بندہ
اس کے حبیب اور برگزیدہ نبی علیہ السلام کو پکار رہا ہے
اور اس کے اس رسول علیہ السلام سے فریاد کر رہا
ہے جو مومنین پر کمال طور پر رحم دل ہے تو کیا خدا کا
فضل یہ روا نہ رکھیگا کہ اس کی مراد پوری کرے۔ بس
اگر تم اسے مانتے ہو تو ہمارا مطلب بھی یہی ہے۔ اگر
انکار کرتے ہو تو کوئی صحیح دلیل پیش کرو۔ دیکھو
ایک حدیث میں آیا ہے جو امام بخاریؒ نے اپنی کتاب
میں درج کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ
حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خدا نے کہا ہے کہ
جو شخص میرے مقرب دوست سے عداوت کرے،
میں اُسے لڑائی کا اعلان کروں گا۔ اور میری بارگاہ
میں انسان کے لئے تقرب کا وسیلہ اس سے بڑھ کر

احب الی مما افترضته علیه ولا یزال
العبد یتقرب الی بالنوافل حتی
احببته فاذا احببته کنت سمعه الذی
یسمع به وبصره الذی یبصر به الحدیث
وای اقرب الیه تعالیٰ من حبیبه
صلی الله علیه وسلم ثم اذا سمع بسمعه
تعالیٰ وبصر ببصره تعالیٰ فکیف
لا یسمع من ینادیه من قریب او
بعید فان ذلك القرب والبعد انما
هو باعتبارنا لا باعتباره صلی الله
علیه وسلم وهذا مشاهد لمن اکتحلت
عیناه بصیرته بالنور الالهی انتهی

مسئلة زيارة قبور الاولياء

ومن تلك المسائل مسئلة زیارة
قبور الانبیاء والاولیاء قالوا
السفر لزیارة القبور وان کان
قبر رسول الله صلی الله علیه وسلم
بدعة او شرك باختلاف اقوالهم
وما ادری کیف یجترؤن علی شرك
جمیع الامة من لدن زمنه صلی
الله علیه وسلم الی هذا الوقت و
قد قال النبی صلی الله علیه وسلم
لا یجتمع امتی علی الضلالة
وید الله علی الجماعة ومعلوم ان
من قال لاخیه المؤمن یا کافر

نہیں کہ جو میرے فرائض ہیں ان کو وہ ادا کرے۔ اسی طرح میرا بندہ نوافل سے میرا مقرب بنتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو پھر میں خود اس کی قوتِ سماعت بن جاتا ہوں تو وہ میرے ذریعہ سے سنتا ہے اور اس کی بصارت بن جاتا ہوں تو وہ مجھ سے دیکھتا ہے الخ۔ بتاؤ خدا کا بڑا مقرب اس کے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھکر کون ہے تو ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام خدائی سماعت سے سنتے ہیں اور اسی کی بصارت سے دیکھتے ہیں تو پکارنے والا خواہ قریب ہو یا بعید، آپ اس کی پکار کیوں نہ سنیں گے؟ کیونکہ قرب و بُعد کا فرق تو ہمارے متعلق ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کے متعلق نہیں ہوتا۔ اس کا مشاہدہ وہ شخص کر سکتا ہے جس کی دونوں آنکھوں میں نورِ الٰہی کا سُرمہ لگا ہوا ہو۔ (انتہی)

متنازع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ قبور انبیاء و اولیاءٌ کی زیارت کا بھی ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ زیارتِ قبور کے لئے سفر کرنا بدعت ہے۔ اگرچہ وہ قبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ہو۔ بعض کہتے ہیں وہ شرک ہے۔ بہرحال ان کا آپس میں بڑا اختلاف ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیسے تمام امت محمدیہ کو مشرک بنانے کی جرأت کر لیتے ہیں جو عہدِ رسالت سے لیکر اب تک چلی آئی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت گمراہی پر متفق نہ ہو گی اور اس جماعت پر خدا کا ہاتھ ہے اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص کسی مومن کو یہ لفظ کہے اے کافر

فقد باء بہ احدھما فالی اللہ المشتکی
فقطع النظر عن الاحادیث فی باب
زیارۃ القبور واقوال العلماء نقول
اما قال اللہ تعالیٰ ولو انھم اذ ظلموا
انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ و
استغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ
توابا رحیما فھل قید سبحانہ تعالیٰ
مجیئھم فی حال الحیوۃ کما اولوھا و ھل
قید مجیئھم من قریب او بعید کما قررتھا
بل ھی عام الدلالۃ فی حیاتہ و بعد مماتہ
من قریب او بعید واجمع الامۃ قدیما
و حدیثا بجواز زیارۃ القبور و
ترغیب زیارۃ قبور الصلحاء ففی
زیارۃ القبور نفع للمیت بالدعاء لہ
بالمغفرۃ واھداء ثواب القراءۃ لروحہ
و نفع للزائر بالتیقظ والتہیئ للموت
و مشفعۃ ارواح الصلحاء فی حق
زائریھم ولا عبرۃ بفعل بعض الجھلاء
من السجود لقبور الاولیاء او
الطواف بالقبور فان کلا منھا
حرام واللازم علی اھل
البصیرۃ ان یعلموھم
اداب الزیارۃ ولا یمنعوھم
من اصل الزیارۃ الا تری

تو ان دونوں میں سے ایک ضرور کفر لیکر پھرتا ہے والی اللہ المشتکی
اس سے قطع نظر کرکے کہ زیارت قبور کے متعلق کئی ایک
احادیث وارد ہیں اور اہل علم کے تحقیقی قول بھی موجود ہیں
ہم کہتے ہیں کہ کیا خدا نے یوں نہیں کہا کہ اے نبی جن لوگوں
نے اپنی جان پر ظلم کیا تھا اگر وہ آپکے پاس آجاتے اور
اللہ سے معافی مانگتے اور آپ خدا کے رسول بھی ان کے لئے
مغفرت طلب کرتے تو وہ ضرور خدا کو مہربان اور توبہ قبول
کرنے والا پاتے۔ اب تم بتاؤ کیا اس آیت میں خدا نے
رسول کی زندگی کی شرط لگائی ہے؟ جیسا کہ تم اس کی
تاویل کرتے ہو۔ یا یہ شرط لگائی ہے کہ آنے والا دور ہو یا
نزدیک جیسا کہ تمہارا خیال ہے۔ نہیں نہیں۔ یہ آیت
عام مفہوم رکھتی ہے۔ خواہ زندگی میں کوئی آئے یا آپکی
وفات کے بعد۔ پھر وہ خواہ قریب ہو یا بعید قدیم اور
موجودہ اُمت کا اتفاق ہے کہ زیارت قبور جائز ہے اور
قبور صلحاء کی ترغیب دینا بھی جائز ہے۔ کیونکہ زیارت
قبور میں میت کو بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے (کیونکہ اس
کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے اور قرأۃ قرآن کا ثواب
دیا جاتا ہے اس کی روح کو) اور زائر کو بھی فائدہ ہوتا
ہے کہ وہ ہوشیار ہوجاتا ہے اور موت کی تیاری کرتا ہے
اور خدا کے نیک بندوں کی روحیں بارگاہ الٰہی میں اسکی
شفاعت کرتی ہیں۔ مگر جو کچھ جاہل وہاں جاکر کرتے ہیں
مثلاً قبر کو سجدہ کرنا یا اس کا طواف کرنا۔ تو وہ بہرحال حرام
ہوتا ہے اور اہل علم کا فرض ہے کہ ان کو آداب زیارت
کی تعلیم دیں اور اصل زیارت سے ممانعت نہ کریں کیا

ولو ان ضريرا فاقد البصر دخل مسجدا وصلى الى غير القبلة فاللازم على اهل البصيرة ان يعلموه ويحولوا وجهه نحو القبلة او يمنعوه من الصلوٰة اصلا واما استدلالهم بحديث لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد فانه مخصوص بالمساجد كما ورد في بعض روايات الحديث لفظ المسجد بقوله عليه الصلوٰة والسلام لا تشدوا الرحال الى مسجد الا الى ثلاثة مساجد فان شد الرحال الى التجارات والغزوات ونحوها مامور الشرع الشريف ولا ينكره الا الجاحد الغبي قال الله تعالى واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى ومقام ابراهيم من آثار الصالحين فاذا كانت الآثار مامورا بالصلوٰة فيها فما ظنك بضرائحهم الشريفة اذا لم تكن القبور محاذية القبلة.

ومن تلك المسائل مسئلة الشفاعة

مسئلة الشفاعة

قالوا الشفاعة غير ممكنة فانها لا تكون الا بان يكون الشفيع وجيها عند الله تعالى او يكون محبوبا لله تعالى وهذان محالان في حق الله تعالى والثالث الشفاعة

تم نہیں دیکھتے کہ جب نابینا مسجد میں آ کر نماز پڑھتا ہے اور قبلہ رُخ نہیں ہوتا۔ تو دیکھنے والے کا کیا فرض ہوتا ہے کہ اسے بتائے اور اس کا رُخ قبلہ کی طرف کرے یا یہ فرض ہوگا کہ وہاں اسے نماز سے روک دیں۔ مگر ان کی یہ دلیل کہ حدیث میں ہے کہ تین مسجدوں کے بغیر کسی اور مقام کی طرف سواری پر سفر نہ کیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مساجد سے مخصوص ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کی بعض روایات میں مسجد کا صاف لفظ موجود ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ کسی مسجد کی طرف شد رحال یعنی سفر نہ کیا جائے سوائے تین مساجد کے اور تجارت اور جہاد وغیرہ کی طرف سفر کرنا خود شرع شریف میں فرمایا گیا ہے جس کا انکار ہٹ دھرم بیوقوف کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ دیکھو خدا کا حکم ہے کہ مقام ابراہیم علیہ السلام کو اپنی نماز کی جگہ بناؤ اور مقام ابراہیم صالحین کے آثار میں سے ہے۔ تو جب ایسے آثار صالحین میں نماز ادا کرنے کا حکم ہے تو ان کے مزارات کے متعلق تمہارا ممانعت کے لئے کیا خیال ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ان کے مزارات شریف نمازی کے قبلہ کی طرف نہ ہوں۔

متنازع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ شفاعت کا بھی ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ شفاعت ناممکن ہے کیونکہ شفاعت اسی صورت میں ہو سکتی کہ شافع وجیہ ہو۔ یا خدا کا محبوب ہو اور یہ دونوں امر خدا کے یہاں محال ہیں۔ تیسری صورت شفاعت بالاذن کی ہے اور یہ گو نفی شفاعت کے برابر ہے۔ کیونکہ یہ نہ تو

بالاذن فهي كلا شفاعة لا تكون لاهل الكبائر ولا للمصرين على الصغائر ولبعض الصغائر ان قارنها التوبة والندامة فيرحمه ربه ولا يستطيع العفو بلا سبب فيأذن لمن يشاء بشفاعته ويغفره برحمته انتهى عقيدتهم

اقول اولاً لا نسلم ان شفاعة الوجيه او المحبوب محال لان على الله تعالى الخوف من الشفيع ولا الالم من عدم رضاء محبوبه بل بمحض فضله وكرمه على رسوله وخواص عباده وثانياً ثبوت وجاهة النبي صلى الله عليه وسلم في حضرة ربه الاعلى و محبته له قال الله تعالى في حق سيدنا عيسى عليه السلام وجيها في الدنيا والاخرة ومن المقربين وقال الله تعالى في حق سيدنا موسى عليه السلام فبرءه الله مما قالوا وكان عند الله وجيها فاذا كان سيدنا عيسى عليه السلام وسيدنا موسى عليه السلام وجيهين و من المقربين فسيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم اولى واحق بذلك قال الله تعالے وكان فضل الله عليك عظيما وقال تعالى

کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہوگی نہ صغیرہ گناہ پر اصرار کرنے والوں کے لیے ہوگی اور چند صغیرہ گناہ والوں پر خدا خود ہی رحم کردے گا جبکہ توبہ اور ندامت ان کے ساتھ ہوگی۔ تو خدا بھی کسی سبب کے بغیر ان کو معاف نہیں کریگا لیکن جسے چاہے معاف کردیگا اور جسے چاہے گا شفاعت کی اجازت دیگا (ان کا عقیدہ یہاں ختم ہوا) مگر میں پہلے تو یہ کہتا ہوں کہ وجیہ اور محبوب کی شفاعت محال نہیں ہے خدا کے نزدیک بلکہ ضروری ہے نہ اس لئے کہ خدا شفیع سے ڈریگا اور نہ اس لئے کہ خدا اپنے محبوب کو ناراض کرنے سے دردمند ہوگا۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اپنے محبوب اور اپنے خاص بندوں پر خاص فضل وکرم کریگا۔

(دوم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت بارگاہ الٰہی میں از روئے قرآن ثابت ہے اور آپکی محبوبیت بھی ثابت ہے۔ ارشاد ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام دنیا و آخرت میں وجیہ ہیں اور مقربین بارگاہ الٰہی میں سے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے کہ جو الزام مخالفین دیتے تھے۔ اس سے خدا نے آپ کو بری کردیا اور آپ خدا کے دربار میں وجیہ تھے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وجیہ اور مقرب بارگاہ الٰہی ٹھیرے تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مرتبہ کے سب سے بڑھ کر حقدار ہوں گے۔ کیونکہ ارشاد ہے کہ آپ پر خدا کا فضل بہت بڑا ہے۔ اور یہ بھی ارشاد ہے کہ

قل انكنتم تحبون الله فاتبعوني
يحببكم الله فاذا كان التابع له
محبوبا عند الله تعالى افلا يكون
المتبوع محبوبا عنده تعالى وقال
صلى الله تعالى عليه وسلم وانا
حبيب الله فاذا ثبت وجاهته
عند الله تعالى ومحبته
مولاه له فاي مانع من قبول
شفاعته وقال صلى الله عليه
وسلم اعطيت الشفاعة قال الله
تعالى عسى ان يبعثك ربك
مقاما محمودا واجمع المفسرين
بان المراد بالمقام المحمود هي الشفاعة
الكبرى رجعنا الى القسم الثالث
من الشفاعة فنقول اولا ان الاستغفار
وطلب المغفرة لاحد هي الشفاعة
وقد امر الله تعالى انبياءه
عليهم الصلوة والسلام
بطلب المغفرة لاممهم
قال سيدنا ابراهيم على
نبينا وعليه السلام ربنا
اغفرلي ولوالدي و
للمؤمنين يوم يقوم
الحساب وقال سيدنا

آپ فرمادیں کہ اے مومنین اگر تم خدا کے محبوب بننا
چاہتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ تب خدا تعالیٰ
تم کو بھی اپنا محبوب بنائے گا۔ خیال کرو کہ جب
تابع محبوب الٰہی ہوا تو متبوع کیوں محبوب الٰہی نہ
ہوگا۔ حالانکہ خود رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ میرا لقب محبوب الٰہی ہے۔ تو جب آپکی
وجاہت خدا کے دربار میں ثابت ہے اور خدا کی
محبت بھی ثابت ہے تو آپ کی شفاعت کے
منظور ہونے میں کیا کسر باقی ہے اور آپ نے
یہ بھی فرمایا ہے کہ مجھے خاص طور پر شفاعت کا
مرتبہ عطا ہوا ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے فرمایا
ہے کہ عنقریب خدا آپکو مقام محمود پہ پہنچا دیگا۔
اور تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ مقام محمود
سے مراد شفاعت کبریٰ اور عام شفاعت کا
مرتبہ ہے۔ اب رہی شفاعت کی تیسری قسم تو
اس کے متعلق ہم یوں کہتے ہیں کہ شفاعت کا
مطلب ہی یہ ہے کہ کسی کے لئے استغفار اور
طلب مغفرت کی جائے اور یہ ثابت ہے کہ خدا
تعالیٰ نے خود اپنے انبیا علیہم السلام کو حکم دیا
ہوا ہے کہ اپنی اپنی امت کے لئے خدا سے مغفرت
طلب کریں۔ چنانچہ حسب الحکم خداوندی حضرت
ابراہیم علیہ السلام دست بدعا ہو کر فرماتے ہیں کہ
اے ہمارے رب مجھے بخش، میرے والدین کو بخش
اور مومنین کو بخش جس دن کہ حساب کا محکمہ قائم ہوگا

موسى عليه السلام انت
وليّنا فاغفر لنا وارحمنا
وانت خير الغافرين
وقال سيدنا عيسى عليه السلام
ان تعذّبهم فانهم عبادك
وان تغفر لهم فانك انت
العزيز الحكيم فطلب لهم
المغفرة بالطف الالفاظ و
قد امر الله تعالى حبيبه بقوله
وصلّ عليهم ان صلوتك
سكن لهم فهذا هو
الامر والاذن بالشفاعة
وقال تعالى ولو انهم
اذ ظلموا انفسهم جاؤك
فاستغفروا الله و
استغفر لهم الرسول
لوجدوا الله توابا
رحيما. فهل
لاستغفار الرسل
معنى الا الشفاعة
وقال تعالى
واستغفر لذنبك و
للمؤمنين والمؤمنات
والله يعلم

جناب موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یا اللہ تو ہی
ہمارا سرپرست ہے ہماری مغفرت کر اور ہم پر رحم کر
اور تو تمام مغفرت کرنے والوں سے بہتر ہے اور
حضرت عیسےٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ یا اللہ اگر
میری اُمت کو تو عذاب کرے تو کوئی چارہ نہیں۔
کیونکہ وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف
کردے تو یہ تیری شان کے شایان ہے کیونکہ تو
عزت وحکمت کا مالک ہے دیکھو آپ نے کیسے نرم
لفظوں میں مغفرت طلب کی ہے۔ اور خدا تعالےٰ
نے اپنے حبیب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد
کیا ہے کہ اپنی اُمت پر نماز جنازہ اور دعائے خیر
کرو۔ کیونکہ آپکی دعائے خیر اُن کے لئے باعث
تسکین ہے پس یہی حکم امر اور اذن بالشفاعۃ
ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ جب انہوں نے اپنی جان
پر ظلم کیا ہے پس اگر آپکے پاس آجاتے۔
اور خدا سے معافی مانگتے اور آپ بھی بحیثیت
رسول اللہ ہونے کے ان کے واسطے معافی مانگتے
تو وہ ضرور دیکھتے کہ خدا تعالیٰ بڑا مہربان اور
توبہ قبول کرنے والا ہے پس انبیاء علیہم السلام
کے استغفار کا یہی مطلب ہے کہ وہ اپنی اُمت کے
لئے شفاعت کریں۔ چنانچہ خدا نے نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کو ارشاد کیا ہے کہ اپنی کوتاہیوں کی
پردہ پوشی طلب کرو اور زن و مرد اہل ایمان
کے لئے مغفرت طلب کرو۔ کیونکہ خدا تو تمہارے

متقلبکم ومثواکم فلیس الامر بالاستغفار
الا الاذن بالشفاعۃ باٰکد الوجوہ
لان الامر اوکد من الاذن بل مدح اللہ
تعالیٰ عوام المؤمنین بالاستغفار
الاخوان من المؤمنین بقولہ تعالیٰ و
الذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا
اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا
بالایمان وقال تعالیٰ ولسوف یعطیک
ربک فترضیٰ ووعد اللہ حق لا یمکن
التخلف ولن یخلف اللہ وعدہ رسلہ
فاعتمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی
وعد ربہ فقال اعطیت الشفاعۃ
بلفظ الماضی ونقول لھم اما تقولون
فی صلاتکم ربنا اغفر لی ولوالدیّ و
للمؤمنین یوم یقوم الحساب فمن اذن
لکم فی دعاء المغفرۃ للوالدین و
للمؤمنین الیس ھذا الدعاء شفاعۃ
فان قلتم اذن لنا الشارع نقول
اذن الشارع بالشفاعۃ لکافۃ المؤمنین
ولم یاذن لحبیبہ وصفیہ صلی اللہ
علیہ وسلم ھاتوا برھانکم
ان کنتم صادقین واما
قولھم الشفاعۃ لا تکون
لاھل الکبائر ولا للمصرین

حرکات وسکنات سے خوب واقف ہے۔ پس امر
بالاستغفار ہی اذن بالشفاعۃ ہے اور اذن بھی بڑے
زور کا ہے۔ کیونکہ امر کرنا اذن دینے سے زیادہ زوردار ہوتا ہے
صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی دیکھو کہ خدا نے ان مسلمانوں کی تعریف
بھی کی ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں
چنانچہ ارشاد ہے کہ جو اہلِ ایمان بعد میں آئے وہ کہتے ہیں کہ
یا اللہ ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخشدے جو ہم سے
پہلے ایمان لا چکے ہیں پھر ارشاد ہے کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
خدا آپکو اتنا دیگا کہ آپ راضی ہو جائینگے اور خدا کا وعدہ سچا ہے
اسمیں خلافِ وعدہ کی گنجائش نہیں کیونکہ اس نے خود کہا ہے
کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اسی وعدہ
پر بھروسہ کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے (فعل ماضی
کے لفظوں میں) کہ مجھے شفاعت کا عطیہ دیا جا چکا ہے۔ ہم بھی
پوچھتے ہیں کہ اے اہلِ ایمان کیا تم اپنی نماز میں یہ دعا نہیں کیا
کرتے کہ یا اللہ مجھے بخش، میرے والدین کو بخش اور قیامت کے
دن مسلمانوں کو بھی بخش۔ اب بتاؤ تم کو دعائے مغفرت کیلئے
کس نے اجازت دی ہے کہ تم والدین اور مسلمانوں کیلئے دعائے
مغفرت کرتے ہو؟ یہ بھی بتاؤ کہ کیا یہی طلب مغفرت شفاعت نہیں
ہے؟ پس اگر تم یوں کہو کہ خدا نے ہمیں اجازت بخشی ہے تو ہم
پوچھیں گے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ تمکو تو شفاعت کی اجازت ہو تا کہ تم
اہلِ ایمان کے لئے طلب مغفرت کرو اور خدا نے اپنے حبیب برگزیدہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت نہ بخشی؟ اگر تمہارے پاس کچھ
صداقت ہے تو اس دعویٰ کی کوئی دلیل پیش کرو۔ اب رہا انکا
یہ قول کہ اہلِ کبائر کیلئے شفاعت نہ ہوگی اور نہ ان کیلئے

على الصفا فرقذ لك تحكم وبهتان
على الله تعالى اما قال الله تعالى
ان الله يغفر الذنوب جميعا وان الله
لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون
ذلك لمن يشاء والشفاعة العظمى
التي تكون يوم القيمة لكافة الخلق
المشار عليها بقوله تعالى عسى ان
يبعثك ربك مقاما محمودا
مختصة بسيدنا رسول الله صلى الله
عليه وسلم فقولهم لا يشفع احد
الا باذنه مستدلين بقوله تعالى
من ذا الذى يشفع عنده الا باذنه
صحيح لا شك فيه وقد اذن الله
تعالى لرسوله صلى الله عليه وسلم
بل امره بالشفاعة بقوله تعالى و
صل عليهم ان صلوتك سكن لهم
وقوله تعالى واستغفر للمؤمنين
والمؤمنات كما مر فلذا قال
عليه الصلوة والسلام اعطيت
الشفاعة وتمام الحديث اعطيت
خمسا لم يعطهن احد قبلي
نصرت بالرعب وجعلت لي الارض
مسجدا وطهورا واحلت
لي الغنائم ولم تحل

جو گناہ صغیرہ پر مداومت کرتے ہیں پس ہم کہتے ہیں کہ یہ
قول خدا پر بہتان اور زبردستی کا حکم ہے۔ کیا خدا نے یوں
نہیں کہا کہ بیشک خدا تمام گناہ بخشدیتا ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ
یہ گناہ نہیں بخشیگا کہ اسکا کسی کو شریک بنایا جائے اور اس
کے بغیر جسے چاہے، جو گناہ بھی ہوں سب بخشدیگا اور شفاعت
کبریٰ قیامت کے دن وہی ہوگی جو تمام مخلوق کی ہوگی۔ اسی
کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ اے نبیؐ خدا تعالیٰ عنقریب
آپکو مقام محمود پر پہنچا دیگا اور یہ شفاعت کبریٰ ہمارے نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی حصہ میں ہے اور آپ سے مختص ہے
پس مخالفین کا یہ کلام کہ اذن الٰہی کے بغیر کوئی شفاعت نہیں
کریگا اور انکا اس آیت سے دلیل پکڑنا کہ کون وہ ہے کہ بلا
اجازت خداوندی اللہ کے پاس کسی کی شفاعت کرے۔
یہ دونوں امر صحیح ہیں اور ان میں ذرہ بھر شک نہیں مگر یہ یاد
رہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذن بالشفاعۃ
ہو چکا ہوا ہے بلکہ اس سے بڑھکر امر بالشفاعۃ بھی نافذ ہو چکا ہے
چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ آپ ان کے لئے دعائے خیر کریں
کیونکہ آپکی دعائے خیر ان کے واسطے تسکین ہے۔ چنانچہ پہلے
گذر چکا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ زن و مرد اہل ایمان کے لئے
آپ دعائے مغفرت کریں۔ اسی وجہ سے آپؐ نے فرمایا ہے
کہ مجھے شفاعت کبریٰ کا عطیہ دیا جا چکا ہے اور اس حدیث
کے باقی اجزاء یہ ہیں کہ مجھے پانچ عطیے عطا ہوئے ہیں اور مجھ
سے پہلے یہ کسی کو نہیں دیئے گئے۔ اوّل میرے رعب سے میری
امداد کیگئی ہے۔ دوم یہ کہ تمام سطح زمین میرے لئے وضو اور
نماز کی جگہ مقرر کر دی گئی ہے۔ سوم خاص مجھے غنیمت کا مال حلال

لاحد قبلي واعطيت الشفاعة
وبعثت للناس عامة متفق عليه-
واما قولهم لايستطيع تعالى شانه
العفو بلا سبب نقول اولا هذا
القول اشنع من قول النصارى
هل يستطيع ربك ان ينزل علينا
مائدة من السماء لان النصارى
ترددوا في الاستطاعة فجاؤا بلفظة
هل وهؤلاء تيقنوا في عدم
الاستطاعة فقالوا لا يستطيع العفو
بلا سبب وثانيا ان العباد يستطيعون
العفو بلا سبب بل بمحض الكرم والله
سبحانه وتعالى لا يستطيعه وهو
تعالى فعال لما يريد لا يسئل عما
يفعل فهذا نتيجة توحيدهم ادبهم
مع ربهم بل زاغوا فازاغ الله
قلوبهم ربنا لا تزغ قلوبنا بعد
اذ هديتنا. انتهى ومن تلك المسائل
مسئلة اعراس المشائخ ومولد النبي صلى الله عليه
وسلم في الاوقات المعلومة قالوا احرام
بتعيين الاوقات والمواليد بدعة يشبه
فعل الهنود ونقول ان منعوا نفس الاعراس
يعني اطعام الطعام للمساكين وذوي
الحاجات بنية ايصال الثواب

کر دیا گیا ہے ورنہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو اسکا استعمال جائز
نہ تھا چہارم مجھے عام شفاعت کا حق دیا گیا ہے پنجم یہ کہ میں
تمام مخلوقات کیطرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں (یہ حدیث
بخاری و مسلم میں ہے) مخالفین کا یہ قول کہ خدا تعالی بلا وجہ
معافی نہیں دے سکتا. بالکل غلط ہے اور ہم کہتے ہیں
کہ پہلے تو یہ قول اُن عیسائیوں کے کلام سے بھی بڑھکر
معیوب ہے جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کہا تھا کہ کیا
تیرا رب آسمان سے ہمارے لئے کھانا اتار سکتا ہے؟
کیونکہ عیسائیوں نے خدا کی قدرت میں شک کیا تھا اسلئے
انہوں نے سوالیہ فقرہ پیش کیا اور ان لوگوں نے یقین
کر لیا ہے کہ خدا کو قدرت ہی نہیں کہ اپنا حق بھی بلا وجہ
معاف کردے. دوم یہ کہ بندہ اپنا حق بلا وجہ معاف کرسکتا
ہے بلکہ صرف کرم اور مہربانی سے معاف کرسکتا ہے اور
ان کے نزدیک خدا کو یہ طاقت نہیں. حالانکہ وہ جو چاہے
کرتا ہے، اس سے کوئی چون وچرا نہیں. دیکھو یہ اُن کی
توحید کا نتیجہ ہے اور اپنے رب کی تعظیم کا ثمرہ ہے نہیں
نہیں، بلکہ وہ گمراہ ہوگئے. یا اللہ تو ہمارے دل کو
راہ راست سے نہ پھیر، بعد اس کے کہ تو نے ہمکو سیدھی المسئلة
راہ دکھائی ہے. مختلف فیہ مسائل میں سے عرس مشائخ
اور میلاد نبوی کا مسئلہ بھی ہے. جو مقررہ اوقات میں
منائے جاتے ہیں. مخالفین کہتے ہیں یہ حرام ہیں بوجہ تعیین
وقت کے اور مجالس میلاد فعل ہنود سے مشابہ ہیں مگر
ہم کہتے ہیں کہ اگر اصل حقیقت عرس کو ممنوع کہیں یعنی
مساکین اور حاجتمندوں کو کھانا کھلانا تاکہ ایصال ثواب

فذلك مكابرة ومخالفة للشرع
قال الله تعالى واطعموا القانع و
المعتر وقال تعالى انفقوا مما رزقناكم
من قبل ان يأتي يوم لا بيع فيه ولا
خلة ولا شفاعة وقال تعالى وما انفقتم
من نفقة او نذرتم من نذر فان الله
يعلمه وقال تعالى واقيموا الصلوة و
اتوا الزكوة واقرضوا الله قرضا حسنا
وما تقدموا لانفسكم من خير تجدوه
عند الله هو خيرا واعظم اجرا وقال
تعالى ويطعمون الطعام على حبه مسكينا
ويتيما واسيرا وان منعوها لتعيين
الاوقات فتعيين الوقت لا يضر في
الامور المباحة الا ترى ان الشارع
عليه الصلوة والسلام امر امته بصوم
يوم عاشوراء وامر بصوم ست من شوال
وامرها بالتهجد في الليل وصلوة الاشراق
والضحى في الاوقات المعينة وامر
بالعقيقة في اليوم السابع من ولادة المولود
وغيرها فعين للامور المباحة اوقات
معينة والمقصود من تعيين الايام للاعراس
اجتماع الناس من النواحي بلا كلفة
لا غير وان منعوها لعدم ايصال الثواب
فذلك باطل عقلا ونقلا ويكفي في المقصود

ہو۔ تو یہ کج بحثی ہوگی اور شرع کا خلاف ہوگا کیونکہ خدا خود
حکم دیتا ہے کہ سوالی اور غیر سوالی حاجتمندوں کو کھانا کھلاؤ
یہ بھی فرمایا کہ جو مال ہم نے تمکو دیا ہے۔ اس سے خرچ کرو اللہ
کی راہ میں پیشتر اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت
ہوگی نہ دوستانہ کام آئیگا اور نہ تمہارے کسی دوست کی سفارش
کام آئے گی۔ یہ بھی فرمایا کہ جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے
ہو یا نذر دیتے ہو خدا اسے جانتا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ
نماز بلا ناغہ ادا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کو قرض حسنہ دو
اور جو خیرات تم اپنے لئے پیشگی بھیجو گے اُسے خدا کے یہاں
بہتر پاؤ گے اور اسکا ثواب بہت پاؤ گے۔ یہ بھی فرمایا کہ مومن
کھانا کھلاتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو اگرچہ
ان کو خود اس کھانے کی خواہش ہو۔ اگر مخالفین تعیین وقت
کی وجہ سے عرس کو حرام کہتے ہیں تو غلط ہے کیونکہ تعیین
وقت امور مباح میں مُضر نہیں ہوتی۔ ارے تم یہ نہیں
دیکھتے کہ حضور علیہ السلام نے یوم عاشوراء کے روزہ کا اپنی
اُمت کو حکم دیا تھا اور شوال کے چھ روزوں کا بھی حکم دیا
تھا اور رات کو نماز تہجد کا حکم دیا تھا اور صلوۃ اشراق کا اور
صلوۃ ضحیٰ کا اور ان سب کے اوقات متعین ہیں اور حکم دیا کہ پیدائش
کے بعد ساتویں روز بچے کا عقیقہ دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ ان
سب میں آپ نے وقت مقرر کردیئے ہیں اور تعیین وقت عرس
میں اصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ بلا تکلف جمع ہوجایا کریں
اس کے سوا کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔ اگر وہ اسلئے منع
کرتے ہیں کہ میت کو ثواب نہیں پہنچتا تو یہ بالکل غلط ہے
نہ اسے عقل مانتی ہے نہ کوئی نص تسلیم کرتی ہے اور ہمارے

حديث بئر ام سعدؓ فان اهداء ثواب
العمل للغير حيًّا وميتًا جائز بل مأمور
بها الا ترى ان الحج عن الغير عند عدم
القدرة ورد به الشرع كما امر الشارع
عليه الصلوة والسلام المرأة السائلة
عند انصرافه من مزدلفة عام حجة الوداع
واما المواليد بهيئتها الكذائية فانها
وان لم تكن في زمن خير القرون لكنه
امر مستحسن معمول كافة المسلمين شرقا
وغربا الا في الفرقة المحدثة الغير المقلدة
وما راه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن
وليس في قراءة المواليد الا مدح النبي
صلى الله عليه وسلم وانشاد الشعر في مدحه
صلى الله عليه وسلم وقرائته قراءة مدحه
سنة الاصحاب بل سنة النبي صلى الله عليه
وسلم لما روى ان النبي صلى الله عليه وسلم
كان يسمع الاشعار المدحية من حسان
بن ثابت وكعب بن زهير وسواد بن قارب
وغيرهم فمن يقول ان قراءة المولود
ممنوع او مذموم او فعل يشبه الهنود فهو
بنفسه مذموم ومطرود وما ادري لاي
سبب يمنعون قراءة المولد ما يمنعون
الامور المستحدثة غير المولد كبناء الرباطات و
تزيين المساجد بالنقوش وكتابة المصاحف المزخرفة

قراءة مولد النبي

اس مقصد (ایصالِ ثواب) کیلئے ام سعدؓ کے کنوئیں کی
حدیث کافی ہے۔ کیونکہ غیر کے عمل کا ثواب پہنچانا بحالت
حیات وموت دونوں صورتوں میں جائز ہوتا ہے بلکہ اسکا
حکم ہو چکا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ قدرت نہ ہو تو غیر سے
حج کرانے میں شرعی حکم وارد ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام
حجۃ الوداع میں مقام مزدلفہ سے واپس تشریف لائے
تو ایک عورت نے یہی سوال کیا تھا اور مجلس میلاد گو مروجہ المسئلة
موجودہ شکل میں خیر القرون کے وقت موجود نہ تھیں مگر اس
میں شک نہیں کہ یہ فعل مستحسن ہے اور تمام اہل اسلام کا شرق
و مغرب میں معمول ہے سوائے فرقہ نجدیہ غیر مقلدین کے
اور یہ اصول ہے کہ جس امر مباح کو مسلمان مستحسن سمجھیں وہ
خدا کے نزدیک بھی مستحسن قرار پاتا ہے اور مجلس میلاد میں یہی
ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ذکر کیجاتی ہے
یا آپکی مدح میں شعر پڑھے جاتے ہیں اور مدحیہ اشعار کا
پڑھنا سنتِ صحابہؓ ہے بلکہ سنتِ نبویہ ہے۔ کیونکہ روایات
سے ثابت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان
بن ثابت سے اپنے اشعار مدحیہ سنا کرتے تھے اور کعب بن
زہیر سواد بن قارب وغیرہ سے بھی آپ اشعار مدحیہ سنتے تھے
اس لئے جو شخص یہ کہتا ہے کہ ذکر میلاد اور مدحیہ اشعار کا پڑھنا
ممنوع یا برا ہے اور فعل یہود ہے وہ شخص خود برا ہے اور
راندۂ درگاہ ہوگیا ہے۔ اب مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس وجہ
سے ذکر میلاد کو منع کرتے ہیں اور مجالس میلاد کے علاوہ دیگر
نو پیدا امور کو کیوں منع نہیں کرتے مثلاً مسافر خانوں کا بنانا
یا مساجد کا سجانا بیل بوٹے سے یا قرآن مجید کو سنہری حروف

بالمذهب تعليم العلوم العقلية والعلوم
العربية كالصرف والنحو والحكمة والرياضيات
ولبس ثياب مروجة الوقت واكل الاطعمة
الملونة فكل ذلك مباح لا اعتراض عليه
لكن قراءة المولد الذي فيه ذكر ولادة النبي
صلى الله عليه وسلم وذكر معجزاته وخوارق
عاداته عند هولاء حرام او بدعة ولا يظهر
لمنعهم سبب الا حبهم له صلى الله عليه وسلم

المسئلة ومن تلك المسائل مسئلة تصوره صلى
الله عليه وسلم في الصلوة قال امامهم
تصوره عليه الصلاة والسلام في الصلوة
اسوء من تصور بهائم المصلى وثموا
اخس انواع البهائم وانا لا اقدر ذكر
ما سموه من البهائم في مقابلة اسمه
الشريف تادبا وهذه العقيدة من اشنع
عقائدهم اعاذنا الله تعالى منها ومعهذا
يسمونه بفخر العالم فاذا كان هذا حال
فخر العالم فما ذا يكون حال من كان دونه
في القرب من الانبياء والصالحين وكيف
يتصورون سيدنا الخليل عليه السلام
حين يقرؤن قوله تعالى في الصلوة واتخذ
الله ابراهيم خليلا وكيف يتصورون
سيدنا موسى عليه السلام حين يقرؤن وكلم
الله موسى تكليما وكيف يتصورون سيدنا عيسى

سے لکھنا یا علوم عقلیہ مروجہ کا تعلیم دینا یا عربی علوم کی تعلیم
مثلاً صرف، نحو، فلسفہ، ریاضی وغیرہ یا زمانہ حال کے مروجہ
لباس کا استعمال یا مختلف قسم کے کھانے تناول کرنا جب
اصل میں یہ سب مباح ہیں وہ ان پر کوئی اعتراض نہیں کرتے
مگر ذکر میلاد جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا تذکرہ
ہوتا ہے یا معجزات اور خرق عادات بیان ہوتے ہیں جو
آپکی ولادت کے وقت رونما ہوئے تھے تو اسے حرام یا بدعت
بتاتے ہیں۔ شاید ممانعت کی وجہ صرف یہی معلوم ہوگی کہ ہم حضور
علیہ السلام سے اظہار محبت کرتے ہیں اور بس، خوب! ان
مسائل میں سے حضور علیہ السلام کے تصور کا بھی مسئلہ ہے جو نماز
میں بلا اختیار آجاتا ہے۔ مخالفین کے امام کا قول ہے کہ نماز
میں حضور علیہ السلام کا خیال آجانا نمازی کے اپنے جانوروں کے
خیال سے بھی بدتر ہے اور اس مقام پر اس نے ایک بدترین
جانور کا ذکر کیا ہے۔ مگر میں جرأت نہیں کر سکتا کہ اس برے جانور
کا نام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے مقابلہ پر
ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذکر کروں۔ اور انکا یہ عقیدہ بدترین
عقائد میں سے ہے۔ ایسے عقائد سے خدا بچائے۔ تعجب ہے کہ
پھر یہ لوگ حضور علیہ السلام کو فخر عالم بھی کہتے ہیں۔ مگر تم سوچو کہ جب
فخر عالم کا انکے نزدیک یہ حال ہے تو دوسرے انبیاء وصالحین
کا کیا حال ہوگا۔ جو آپ سے بارگاہ الٰہی میں کم درجہ پر مقرب ہیں
وہ بتائیں کہ جب وہ نماز میں واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا
پڑھتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تصور کو کیا سمجھتے ہیں
یا جب کلّم اللہ موسیٰ تکلیما پڑھتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے تصور کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام

عليه السلام حين يقرؤن فى الصلوة و
كان وجيها فى الدنيا و الاخرة ومن
المقربين وجميع القرآن مفصح بمدحه
صلى الله عليه وسلم وقربه ومحبته قال
الله تعالىٰ اطيعوا الله واطيعوا الرسول
ومن يطع الرسول فقد اطاع الله و
قوله تعالىٰ قل ان كنتم تحبون الله
فاتبعونى وقال تعالىٰ يا ايها النبى
انا ارسلناك شاهدا ومبشرا و
نذيرا و داعيا الى الله باذنه وسراجا
منيرا وقال تعالىٰ لا تجعلوا دعاء
الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضا وقال
تعالىٰ و تعزروه و توقروه وهذا
توقيره عليه السلام عند القوم حتى
جعلوا تصوره اسوء من تصور البهائم
و مع ذلك سموا انفسهم اهل الحديث
فانا لله وانا اليه راجعون
ولما مات ولده صلى الله
عليه وسلم قال المشركون
صار ابتر فاجاب الله سبحانه
عن حبيبه ان شانئك هو
الابتر وكما قال ابو لهب
للنبى صلى الله عليه وسلم
تبا لك الهذا دعوتنا

کے متعلق یہ آیت پڑھتے ہیں کہ کان وجیہا فی الدنیا و
الاخرۃ ومن المقربین تو آپکے تصور کو کس قدر قیمت
میں جانتے ہیں - انپر ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ سارا قرآن تو
حضور علیہ السلام کی تعریف سے پُر ہے اور آپکی تعریف بیان کرتا
ہے یا آپکا قرب الٰہی اور محبت الٰہی ظاہر کرتا ہے چنانچہ ارشاد
ہے کہ تم اللہ کی اطاعت کرو - اس کے رسول کی اطاعت کرو
جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہی خدا کی اطاعت کرتا ہے.
آپ کہدیں کہ اگر تم خدا سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری تابعداری
کرو اور یہ بھی فرمایا کہ اے نبی ہم نے آپکو امت کا نگران حال و
مبشر اور نذیر بناکر بھیجا ہے اور خدا کی طرف بلانیوالا اور روشن
چراغ بناکر مبعوث کیا ہے یہ بھی فرمایا کہ تم رسول علیہ السلام کا
بلاوا اپنے باہمی ایک دوسرے کے بلاوے کی مانند نہ بناؤ.
یہ بھی فرمایا کہ تم رسول کی عزت و توقیر کرو - تو اب وہابی بیچارہ
کیا کرے اور کیسے آپکے تصور کو روک سکتا ہے - سخت افسوس ہے
کہ خدا تو تعریف کرے اور قوم آپکی یہ عزت کرتی ہے کہ نماز میں
آپکے تصور کو بھی ممنوع قرار دیتی ہے اور جانوروں کے
تصور سے بھی بدتر جانتی ہے . پھر اس قوم نے اپنا نام
کیا رکھا ہے ؟ اہل حدیث ! انا للہ وانا الیہ راجعون-
جب حضور علیہ السلام کے خلف الرشید حضرت ابراہیم علیہ السلام
کا وصال ہوا تھا تو مشرک کہتے تھے کہ آپ ابتر ہو گئے ہیں
تو خدا تعالیٰ نے جواب دیا کہ آپ ابتر نہیں بلکہ آپکے
دشمن ابتر ہیں. ایک دفعہ آپ نے کوہ صفا پر تبلیغ
اسلام کے لئے قریش کو بلایا تھا. تو ابولہب نے اخیر وعظ
پر کہا تھا کہ کیا اسی کام کے لئے آپ نے ہمیں دعوت

غضب الله عليه واجاب عن حبيبه
بقوله تبت يدا ابى لهب وتب
والمرجو من المنصفين توازن قول
الوهابية ان تصوره صلى الله عليه
وسلم فى الصلوة اسوء من تصور
البهيمة الفلانية بقول ابى لهب
تبا لك ويرجم اشنع وافضح جعل
ابولهب جهنميا بقوله تبا لك
فكيف يكون حال من تفوه بمثل
ماقالوا لكن الوحى قد انقطع فمن
الذى يرد عليه قوله وقالوا لا يجوز
للمصلى ان يقول فى تشهده السلام
عليك ايها النبى ورحمة الله وبركاته
بل يقول السلام على النبى الخ تحاميا
من لفظ الخطاب المشير الى حضور
روحه عليه الصلوة والسلام قلنا و
لئن سلم ذلك فكيف تصوره عند
قراءة السلام على النبى ورحمة الله
وبركاته أنصوره بالتبجيل والتوقير
ام بالاهانة والتحقير عياذا بالله
ان صورناه بالتوقير بطلت قاعدتهم
المقررة فى اول المسئلة وان
صورناه بالتحقير عياذا
بالله هدمنا بناء الاسلام

دی تھی۔ خدا کرے تم جلد تباہ ہو جاؤ۔ اس پر خدا ناراض
ہوا اور اپنے حبیب کی طرف سے جواب دیا کہ ابو لہب کے دونوں ہاتھ
تباہ ہو گئے اور وہ خود بھی تباہ ہو گا۔ اب انصاف پسند
طبائع سے مجھے امید ہے کہ وہ خود قولِ وہابیہ اور قول ابو لہب
کا باہمی موازنہ کریں گے قولِ وہابیہ یہ ہے کہ نماز میں حضور
علیہ السلام کا تصور فلاں بدترین جانور کے تصور سے بھی
زیادہ برا ہے اور ابو لہب کا قول یہ ہے کہ اے نبی تو تباہ ہو جا
اور بتائیں گے کہ کس کا قول زیادہ برا اور بدنام کرنیوالا ہے
اور کس کا نہیں؟ ابو لہب کو تو یہ سزا مل چکی کہ تبالک کہکر جہنمی
ہو گیا۔ مگر ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جنہوں نے ایسے گندے
لفظ کہے ہیں۔ افسوس وحی بند ہو چکی ہے ورنہ ابھی فیصلہ
ہو جاتا۔ اب انکا منہ کون توڑ سکتا ہے؟ یہ لوگ یوں بھی کہتے
ہیں کہ نمازی کو تشہد میں یوں کہنا جائز نہیں کہ یعنی آپ
پر سلام ہو اور آپ پر خدا کی رحمت اور برکت نازل ہو بلکہ یوں
غائب سمجھکر کہے کہ ہمارے نبی پر سلام ہو۔ تاکہ حاضری اور خطاب
کے لفظ سے بچ جائے۔ کیونکہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپکی
روح مبارک حاضر ہو جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب غائب کا
لفظ اختیار کرنے سے آپکی حاضری نہ ہو گی تو بتاؤ کہ جب نمازی
السلام علی النبی کہے گا اور غائبانہ لفظ سے آپ پر سلام و
درود بھیجیگا تو آپکا تصور بھی آئیگا؟ تعظیم و توقیر کی صورت میں یا
معاذ اللہ اہانت و تحقیر کی شکل میں۔ بس اگر وہ تصور عزت و توقیر
کے ساتھ ہو گا تو وہابیوں کا اصول ٹوٹ جائیگا کہ جو شروع مسئلہ
میں مقرر کیا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کا تصور مفسد صلوٰۃ ہے اور
اور گدھے کے تصور سے نماز نہیں ٹوٹتی اور اگر معاذ اللہ

ارشدونا الى اهون البليتين. انتهى.
ومن تلك المسائل مسئلة لفظ السيد
قبل اسم النبي صلى الله عليه وسلم قالوا
هذا بدعة وما كان مصطلحا في زمن
خير القرون اقول الاصطلاحات تتغير
بتغير الزمان وهل كانت لفظة مولينا
وشيخنا وحضرتنا وامثال ذلك مصطلحة
في زمن خير القرون وفي هذا الزمان
يستنكف كل من ادنى العلماء ان يخاطب
بمجرد اسمه ويحسبه هتكا لحرمته فالنبي
صلى الله عليه وسلم احق بالحرمة والتعظيم
من سائر الناس اما قال الله تعالى في
حق سيدنا يحيى عليه السلام وسيدا
وحصورا ونبيا من الصالحين وقال
النبي صلى الله عليه وسلم انا سيد ولد
آدم فلفظ السيد مرادف في المعنى للفظ
المولى بل المولى اعلى منه لانه
يطلق على الله تعالى قال الله تعالى
ذلك بان الله مولى الذين آمنوا
وقوله تعالى نعم المولى ونعم
النصير - ومن تلك المسائل مسئلة
اشتراك غير الله تعالى معه في الفعل
كما يقال للمعطى هذا من فضل الله
وفضلكم او اعطاني الله ورسوله

تحقیر کے ساتھ اسے تصور کریں تو اسلام کی بنیاد ہی اکھاڑ دینگے
خدا تعالیٰ مناسب راستہ کی ہمیں ہدایت کرے (انتہی) اور المسئلة
ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ آیا نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے نام سے پہلے سیدنا کا لفظ بڑھانا جائز ہے
یا نہیں؟ مخالفین کہتے ہیں کہ یہ زیادتی بدعت ہے خیر القرون
کے وقت نہ تھی مگر میں کہتا ہوں کہ زمانہ تبدیلی سے محاورات
بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ تم خود بتاؤ کہ کیا مولانا اور شیخنا و
حضرتنا وغیرہ کے لفظ خیر القرون میں مستعمل تھے؟ حالانکہ
موجودہ وقت میں جس ذی علم کو صرف نام سے پکارا جائے اور
کوئی تعظیمی لفظ نہ بڑھایا جائے تو آنجناب ناک چڑھا لیتے ہیں اور
اسے اپنی ہتک عزت جانتے ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا
کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھکر عزت و توقیر کے حقدار
ہیں۔ کیا خدا تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حق میں یوں نہیں
فرمایا کہ آپ سید پاکدامن تھے اور نبی صالح تھے اور رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں بنی آدم کا سید ہوں
اور سید کا لفظ مولیٰ کے معنے میں ہے بلکہ مولیٰ کا لفظ سید
سے بھی اعلیٰ ہے کیونکہ سید کا لفظ خدا پر استعمال نہیں ہوتا اور
مولیٰ کا لفظ خدا پر بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ
اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے مالک اور مولیٰ ہیں جو ایمان لائے ہیں
اور یہ بھی اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہترین مالک اور بہترین
مددگار ہیں۔ ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ آیا فعل المسئلة
خداوندی میں غیر اللہ کو شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً
کسی داتے کو یوں کہنا کہ یہ اللہ کی اور تمہاری مہربانی
ہے۔ یا یوں کہنا کہ یہ چیز مجھے خدا اور خدا کے رسول نے دی ہے

ففيه الحقيقة والمجاز اى اعطانى
الله حقيقة واعطيتنى ظاهرا
وكانت الصحابة رضى الله عنهم
حين يلقى النبى صلى الله عليه وسلم
عليهم سؤالا يقولون الله ورسوله
اعلم فكانوا يشتركون النبى صلى الله
عليه وسلم فى الاعلمية مع الله تعالى
ولا ينكر عليهم احد وقال الله تعالى
براءة من الله ورسوله وقال تعالى
فالله ورسوله احق ان يرضوه ومن
يطع الله ورسوله وقال تعالى وما
نقموا منهم الا ان اغناهم الله ورسوله
من فضله الى غير ذلك من الآيات
لكن الاحتراز عن امثال
هذه الكلمات احسن لعدم
تميز العوام بين الحقيقة و
المجاز ومن تلك المسائل مسئلة
امكان الكذب على الله تعالى
قالوا خلف الوعيد جائز وسموه
امكان الكذب قلنا لا يجوز
نسبة الكذب الى الله
تعالى وخلف الوعيد مكرمة
ولا يسمى كذبا لان الكذب
دناءة قبيحة يستنكف منها

مسئلة امكان الكذب على الله تعالى

تو جواب یوں ہے کہ ایسے محاورہ میں مجازی طریق استعمال
ہوتا ہے اور حقیقی بھی۔ تو فقرہ مذکورہ کا یہ معنی ہوا کہ اصلی
طور پر تو خدا نے دیا ہے مگر بظاہر تم نے دیا ہے اور صحابہ
رضی اللہ عنہم سے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی سوال
پوچھتے تھے اور صحابی جواب دینا گستاخی سمجھتے تھے تو
یوں کہتے تھے کہ اس کا جواب خدا اور خدا کا رسول بہتر
جانتا ہے اور اپنے اس جواب میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے علم میں شریک کر دیتے تھے اور
اس جوابی فقرہ کو کسی نے برا نہیں منایا۔ دیکھئے ارشاد
ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی مشرکین سے بیزاری ہے
یہ بھی فرمایا کہ انکو یہ مناسب تھا کہ خدا اور خدا کے رسول کو
راضی کرتے اور یہ بھی فرمایا کہ جو اللہ اور اللہ کے رسول
کی اطاعت کرتا ہے۔ وہ بڑی کامیابی پائیگا یہ بھی ارشاد
ہے کہ مخالفین کیا یہی برا مناتے ہیں کہ اللہ نے اور اللہ کے
رسول نے اہل مدینہ اور مہاجرین کو غنی کر دیا ہے اس قسم کی
آیات اور بھی بہت ہیں مگر خلاصہ جواب یہ ہے کہ
ایسے اشتراکی لفظوں سے عوام کو بچنا چاہیئے کیونکہ
وہ حقیقت و مجاز میں امتیاز نہیں کرتے۔ اور ان
مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ معاذ اللہ کیا خدا جھوٹ
بول سکتا ہے یا نہیں؟ مخالف کہتے ہیں کہ عذابی وعدہ
میں جھوٹ بول سکتا ہے اور اس مسئلہ کا نام کمبختوں نے
امکان کذب رکھا ہوا ہے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ ذات
خداوندی کی طرف جھوٹ کو منسوب کرنا ہی ناجائز ہے
اور وعدہ کرکے سزا نہ دینا اسے وعدہ خلافی نہیں کہتے

العباد فكيف يجب العباد
و مغفرة المعاصي يوم
القيمة عفو و مكرمة لا
يسمى كذبا قال الله تعالى
بل كذبوا بما لم يحيطوا
بعلمه وقال تعالى ويقولون
على الله الكذب وهم
يعلمون فالخصلة الرديئة
التي ذكرها الله تعالى من
عادات الكفار كيف يجوز
لمسلم ان ينسبها الى الله تعالى
فالحاكم ان اوعد اهل الجرائم
بالحبس والقتل مثلا فظفر
عليهم ثم عفى عنهم بشفاعة
احد من خواصه او بلطف
منه واطلقهم هل يسمى
ذلك الحاكم كاذبا كلا بل
عفوه لهم احسان ومكرمة
فمن سمى فضل الله تعالى
ورحمته على عباده المجرمين
كذبا فقد كذب على
الله تعالى ومن اظلم
ممن كذب على الله او
كذب بآياته انه لا يفلح المجرمون

بلکہ وہ اصول اختیاری کی تبدیلی ہے اور اس خود اختیاری تبدیلی کو کوئی جھوٹ نہیں کہتا۔ کیونکہ جھوٹ ایک لعنت ہے جس سے انسان بھی نفرت کرتے ہیں تو بھلا خدا تعالیٰ اس سے نفرت کیوں نہ کرینگے؟ پس قیامت کے دن عذاب کی بجائے مغفرت کا استعمال کرنا خدا کا رحم اور مہربانی ہوگی۔ اسے کذب نہیں کہا جائے گا۔ ارشاد ہے کہ کفار قرآن کی تکذیب کرتے ہیں جسے وہ خود پورے طور پر نہیں سمجھ سکے۔ پھر ارشاد ہے کہ وہ جانتے ہیں اور جان بوجھکر خدا پر افترا کرتے ہیں۔ ان آیات میں جھوٹ کی لعنت کو خدا تعالےٰ نے کفار کے حق میں ذکر فرمایا ہے کہ یہ انکی عادت ہے پس مسلمان کیسے گوارا کرسکتا ہے کہ اس لعنت کو اپنے خدا سے نسبت دے تجربہ شاہد ہے کہ جرائم پیشہ گرفتاروں کو حاکم حبس دوام یا قتل کی سزا دیتے ہیں مگر کسی خاص مقرب کی سفارش سے یا اپنی خاص مہربانی سے یا رحم کی درخواست پر انکو معافی بھی دیدیتے ہیں۔ اور رہا کر دیتے ہیں تو کیا اس صورت میں ان حکام کو وعدہ خلاف یا جھوٹا کہا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس معافی کا نام ذاتی اختیار کا استعمال ہے اور احسان اور کمال مہربانی ہے پس حاصل یہ ہے کہ جو شخص اس رحیمانہ سلوک خداوندی کو جو وہ اپنے مجرم بندوں کے حق میں استعمال کریگا کذب کا عنوان دیتا ہے۔ وہ خود خدا پر جھوٹ باندھتا ہے۔ تم خود ہی بتاؤ کہ اس شخص سے بڑھکر اور کون زیادہ ظالم ہو سکتا ہے جو خدا پر جھوٹ باندھے یا اسکی آیات کی تکذیب کرے۔ اصل بات یہ ہے کہ ظالموں کی نجات نہ ہوگی

قالوا الیس اللہ علی کل شیئ قدیر
قلنا بلی ولکن قدرۃ اللہ تعالیٰ لا
تتوجہ الی المحالات کشریک الباری
وغیرہ من المحالات فکف اللسان عن
امثال ہذہ الکلمات واجب علی العباد

مسئلۃ الاستمداد من ارواح الصلحاء

ومن تلک المسائل مسئلۃ الاستمداد
من ارواح الصلحاء قالوا لا یجوز
الاستمداد الا عن اللہ تعالیٰ ومن
استمد من غیر اللہ تعالیٰ فقد اشرک
باللہ تعالیٰ قلت الکلام فی ہذہ المسئلۃ
من وجہین جواز نفس الاستمداد و
عدمہ والنفع من الاستمداد وعدمہ
فنفس الاستمداد یعنی طلب المعونۃ
شائع ذائع عندہم من الاحیاء فی
مقاصدہم الدنیویۃ من تعمیر المدارس
وتبلیغ المذاہب واجراء الجرائد فان
کان نفس الاستمداد شرکا فقد اشرکوا
باللہ تعالیٰ فلا فرق بیننا وبینہم
فی نفس الاستمداد غیر انہم
یستمدون من الاشباح الفانیۃ و
نحن نستمد من الارواح الطیبۃ الباقیۃ
واما النفع من الاستمداد فبارادۃ
اللہ تعالیٰ ان اراد نفعنا الارواح الطیبۃ
ونفعہم الاشباح الفانیۃ وان لم یردہ ما نفعا

مخالف اعتراض کیا کرتے ہیں کہ کیا خدا ہر شے پر قادر نہیں تو
جھوٹ پر کیوں قادر ہوگا (جواب) بیشک صحیح ہے
لیکن قدرت الہٰیہ ممکن اور نامناسب امور کیطرف متوجہ
نہیں ہوا کرتی۔ چنانچہ خدا اپنا شریک پیدا نہیں کرتا۔
اور اسی طرح کے اور نا واجب کام نہیں کرتا۔ پس ایسے
بکواسات سے انسان کا فرض ہے کہ اپنی زبان کو روک
رکھے۔ ان مسائل میں سے استمداد کا مسئلہ بھی ہے جو
صلحاء کی روحوں سے کی جاتی ہے۔ مخالف کہتے ہیں کہ
ناجائز ہے اللہ کے سوا اور جو اللہ کے سوا کسی اور سے
استمداد کرتا ہے وہ خدا سے شرک کرتا ہے میں کہتا ہوں
کہ اسپر دو طریق سے بحث ہے اول صرف استمداد اور
عدم استمداد پر دوم استمداد سے نفع یا عدم نفع پر بس
نفس استمداد یعنی کسی سے امداد طلب کرنا۔ تو وہ زندوں
سے عام طور پر حاصل کیجاتی ہے اور کثیر الاستعمال اور
مشہور ہے چنانچہ مخالف بھی دنیاوی امور میں (مثلاً
تعمیر مدارس، تبلیغ مذہب وہابیہ اور اجرائے اخبارات)
میں انکے ہاں بھی پائی جاتی ہے تو اگر صرف استمداد
ہر طرح سے شرک ہے تو مخالف خود شرک کر رہے ہیں اور
نفس استمداد میں ہمارے اور انکے درمیان کوئی فرق
نہیں مگر یہ فرق ضرور ہے کہ وہ فانی جسموں سے استمداد
کرتے ہیں اور ہم پاک اور غیر فانی ارواح سے استمداد
کرتے ہیں۔ اب رہا استمداد سے نفع تو اللہ تعالیٰ کا
ارادہ اگر چاہے تو ہم کو ارواح طیبہ نفع دیتے ہیں اور
ان کو فانی جسم نفع دیتے ہیں اگر وہ نہ چاہے

وما نفعهم وان قالوا نحن نستمد
من ابدان الاحياء وانتم تستمدون
من ارواح الاموات نقول انتم
كذلك تستمدون من الارواح
لان المعطي والمانع هو الروح في
جسد كان او خارجا من الجسد
انتهى. ومن تلك المسائل مسئلة
تسمية بعض الناس اولادهم
منسوبين الى الانبياء والصلحاء
فهم يحكمون بالشرك على من سمى ولده
نبي بخش او رسول بخش او غلام محمد
او غلام الصديق واشباه ذلك
قالوا معطي الاولاد هو الله تعالى
لا يجوز لاحد ان يضاف اسم ولده
الى غيره تعالى والغلام بمعنى العبد
وكلنا عباد الله لا يجوز اضافة العبد
الى غيره تعالى قلنا سلمنا ان المعطي
والمانع هو الله تعالى حقيقة لكن
اضافة العطاء الى غيره تعالى
جائز مجازا كما قال جبرئيل عليه السلام
لمريم العذراء لاهب لك غلاما زكيا
وما قال ليهب الله تعالى لك غلاما زكيا فاذا
جاز ان يهب جبرئيل عليه السلام غلاما فلم
لا يجوز ان ينسب العطاء للنبي صلى الله عليه وسلم

تو نہ ہم کو ان سے نفع ہوتا ہے نہ انکو۔ اب اگر وہ یوں
کہیں کہ ہم تو زندوں کے بدن سے استمداد کرتے ہیں اور تم
مُردوں کی روحوں سے استمداد کرتے ہو تو ہم کہتے ہیں کہ
در اصل تم بھی ارواح سے ہی استمداد کرتے ہو۔ کیونکہ در
حقیقت دینے والا یا روکنے والا روح ہی ہے خواہ
وہ جسم سے خارج ہو یا اسمیں داخل ہو۔ انتہیٰ۔ ان
مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ کچھ لوگ اپنے بچوں کے المسئلة
نام انبیاء علیہم السلام یا صلحائے اُمت کیطرف
منسوب کر دیتے ہیں مگر مخالف اس شخص پر شرک کا
فتوےٰ لگا دیتے ہیں جو اپنے بچوں کا نام نبی بخش،
رسول بخش یا غلام محمد یا غلام صدیق یا اسی قسم کا
اَور نام رکھے کیونکہ اولاد دینے والا خدا ہی ہے
اور یہ جائز نہ ہوگا کہ اپنے بچے کا نام غیر اللہ کیطرف منسوب
ہو اور غلام عبد کے معنے میں ہے اور ہم سب عباد
اللہ ہیں اور عبدیت کی نسبت غیر اللہ کیطرف جائز
نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مان لیا کہ معطی اور مانع درحقیقت
خدا ہی ہے مگر تاہم عطیہ کو غیر اللہ کیطرف منسوب کرنا
مجازی طور پر جائز ہوتا ہے کیونکہ حضرت جبرئیل نے
حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آکر یوں کہا تھا
کہ میں تمکو پارسا لڑکا بخشنے آیا ہوں، اور یوں نہیں
کہا تھا کہ اسلئے آیا ہوں کہ خدا تمکو لڑکا بخشیگا جو
پارسا ہوگا۔ تو جب جبرئیل علیہ السلام لڑکا دے سکتے
ہیں تو کیوں حضور علیہ السلام کیطرف یہ عطیہ منسوب
کرنا مجازی طور پر جائز نہوگا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے

مجازاً فان قيل ذلك كان بامر الله تعالى قلنا سلمنا انه كان بامر الله تعالى لكنه فتح لنا باب الجواز واما الغلام وان كان بمعنى العبد فى اصطلاح الفرس فاى قباحة فى تشبيهه الاولاد بعبيد الصلحاء من الانبياء والصحابة والصالحين اما كان لهم عبيد اما كانوا ينسبون عبيدهم لانفسهم بقولهم عبدى و امتى اما قال الله تعالى من عبادكم واماكم فالعبيد والناس جميعا عباد الله حقيقة والعبيد عبيد لمالكيهم مجازا كما بيّنا كثرة استعمال المجاز فى القرآن فى اول الكتاب كذلك اولاد الناس عبيد الله حقيقة و عبيد للصلحاء مجازا انتهى. وليكن هذا آخر ما اردنا تحريره فى هذا المقام اللهم انك تعلم انى ما اردت بهذا التحرير الا صيانة عقائد المسلمين عن الزيغ والضلال فان كان صوابا فمنك ولك المنة

کہ قولِ جبرئیلؑ تو امرِ الٰہی تھا اور تمکو کس نے حکم دیا ہے تو جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بیشک قولِ جبرئیلؑ امرِ الٰہی تھا۔ مگر اس نے ہمارے واسطے جواز کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اب رہا لفظ غلام تو اگرچہ وہ فارسی محاورہ میں عبد کے معنے میں ہے۔ تاہم اپنے بچوں کو صلحاء کے غلاموں کے ساتھ تشبیہ دینے میں کیا قباحت ہوگی اور صلحاء سے مراد نبی ہیں اور صحابہ اور اُمتِ محمدیہ کے نیک بندے۔ کیا انکے پاس خود اپنے غلام نہ ہوتے تھے یا انکو اپنی ذات سے منسوب نہ کرتے تھے؟ اور یوں نہ کہتے تھے کہ اے میرے بندے اور اے میری لونڈی کیا خدا نے انکو آپ سے منسوب نہیں کیا کہ تم اپنے بندوں اور اپنی بندیوں کے نکاح کرادیا کرو پس حقیقت میں تمام غلام اور تمام آزاد لوگ خدا کے بندے ہیں اور غلام اپنے آقاؤں کے مجازی طور پر بندے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس کتاب کے آغاز میں قرآن مجید میں کثرت کیساتھ حقیقت و مجاز کا استعمال ذکر کردیا ہوا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس لوگوں کے بچے حقیقت میں اللہ کے بندے ہیں اور صلحائے اُمت کے مجازی طور پر بندے ہیں۔ انتہیٰ۔ یہ ہماری تحریر کا آخری مقام ہے جس کا ہم نے ارادہ کیا تھا۔ یا اللہ میں نے اس تحریر سے اور کوئی ارادہ نہیں کیا سوائے اس کے کہ مسلمانوں کے عقائد کجروی اور گمراہی سے درست ہوں۔ پس اگر یہ تحریر تیری طرف سے ہے تو میں تیرا احسان اور فضل مانتا ہوں۔

١٤ محرم الحرام ١٣٤٦ هـ. [١٩٢٧ م.]